احکامِ سفر

تالیف

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

75

www.KitaboSunnat.com

احکامِ سفر

احکامِ سفر

تالیف

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز

مکتبہ قدوسیہ
اردو بازار لاہور

مسلک کتاب و سنت کے فروغ کے لئے کوشاں
خوبصورت اور معیاری مطبوعات

مکتبہ قدوسیہ

ناشر ــــــــــــــــــ ابوبکر قدوسی
اشاعت ــــــــــــــــــ نومبر 2003ء
مطبع ــــــــــــــــــ موٹروے پریس

MAKTABA QUDDUSIA
REHMAN MARKET GHAZNI STREET URDU BAZAR
LAHORE - PAKISTAN. Ph: 7351124 - 7230585
Fax: 92 - 42 - 7230585 Email: qadusia@brain.net.pk

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از مولانا عطاء الرحمٰن اشرف حفظہ اللہ (جامعہ رحمانیہ سابقہ جامعہ ابراہیمیہ) ناصر روڈ سیالکوٹ۔ جامعہ رحمانیہ کے چار شعبے ہیں۔

(۱) درس نظامی۔ (۲) تحفیظ القرآن۔ (۳) الافتاء۔ (۴) شعبہ تصنیف و تالیف۔

ہر شعبہ کی اپنی اپنی جگہ پر بہت اہمیت ہے۔ مگر ان سب شعبوں میں اہم ترین شعبہ تصنیف و تالیف ہے۔ جامعہ کے شعبہ تصنیف و تالیف کے اہم ترین مقاصد و اہداف میں سے ایک اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ جدید مسلمان نسل کی اصلاح و تربیت کے لئے دین اسلام کے مختلف دینی و اخلاقی موضوعات پر کتابیں اور رسائل تالیف و تصنیف ہوں۔ اور جامعہ کی آرزو یہی ہے کہ اس نئی نسل کے لئے الف سے یاء تک تمام دینیات، عبادات، اخلاق وغیرہ پر نئی کتب و کتابچے شائع ہوتے رہیں تاکہ جو پیاس اور تشنگی محسوس ہو رہی ہے اسے بجھانے کی تدبیر ہو سکے۔

اس سلسلہ کی یہ کتاب "احکام سفر" آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل جامعہ کی طرف سے: (۱) نفحات العطر فی تحقیق مسائل عید الفطر۔

(۲) اہمیت نماز۔ (۳) احکام دعاء اور توسل۔

(۴) تحفۃ الوریٰ فی تحقیق مسائل عید الاضحیٰ۔

(۵) صلوٰۃ المصطفیٰ ﷺ (زیر طبع)۔ (۶) دوران خطبہ دو رکعت پڑھنے کا ثبوت۔

(۷) مسائل قربانی۔ (۸) تحفۃ الوریٰ فی اثبات الجمعۃ فی القریٰ۔

(۹) مسائل الحج۔ یہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ (۱۰) توہین رسالت کی شرعی سزا۔
(۱۱) آل مصطفی ﷺ۔ (۱۲) معراج مصطفی ﷺ۔ (۱۳) احکام عدت۔
(۱۴) احکام طلاق۔ (۱۵) اسلام میں صلہ رحمی کی اہمیت۔ (۱۶) ارکان اسلام۔
(۱۷) انحاز الحاجه فی شرح سنن ابن ماجه (عربی) اس کی دو جلدیں مطبوع ہو چکی ہیں اور باقی بھی نمبروار شائع ہوں گی (ان شاء اللہ) اور یہ شرح ۱۴، ۱۵ جلدوں پر محیط ہوگی۔

مہتمم جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ شیخ الحدیث حضرت الحاج مولانا محمد علی جانباز تمام مکاتب فکر میں متعارف اور جانی پہچانی شخصیت ہیں اور حضرت موصوف مضامین، فتاوی اور علمی شاہکار ہفت روزۂ الاسلام[1] الاعتصام اور اہل حدیث میں آج تک شائع ہوتے رہے ہیں؛ جس کی وجہ سے ان کا حلقۂ عقیدت واحترام بہت ہی وسیع ہے اور غائبانہ طور پر بہت متعارف ہیں۔ قارئین کرام ان کے مضامین کی خطوط کے ذریعہ داد وتحسین کرتے رہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اخبارات کے مدیر حضرات ان کے مضامین کے بہت طلبگار ہوتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مولانا عام فہم اردو زبان میں تحریر فرماتے ہیں۔ ان کی تحریر بڑی محنت اور عرق ریزی سے عمدہ تحقیق اور علمی بصیرت وانصاف سے مرتب ہوتی ہے۔

صاحب البیت ادری بما فیه کی طرح حضرت مولانا جانباز صاحب جب بھی کسی مضمون پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس کا حق ادا کر کے چھوڑتے ہیں اور اسے تشنۂ طلب نہیں رہنے دیتے بلکہ تمام گوشوں کو خوب ٹٹول ٹٹول کر اور تمام مخفی امور کو خوب آشکارا کر کے چھوڑتے ہیں اور یہ ان کا ہی حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے حضرت مولانا کی زبان میں سلاست اور قلم میں بہت روانی پیدا کی ہوئی ہے کہ جب تک مضمون مکمل نہ ہو جائے تھمتا ہی نہیں۔
الحمدللہ مولانا ممدوح نے اس کتاب میں توقع سے زیادہ ہی مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا ہے اور تحقیق وتدقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

---

[1] اب یہ بند ہو چکا ہے۔

میرے ناقص علم میں اب یہ اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے۔محبان علوم رسالت کومولانا صاحب کا ممنون ومشکور ہونا چاہئے کہ یہ قیمتی ذخیرہ ان کے ذریعے وقف عام ہورہا ہے۔

اللہ وحدہ لا شریک لہ ان کی اس خدمت جلیلہ کو شرف قبول فرمائے اور مولانا کو مزید ترقی سے نوازے۔تاکہ اس قسم کے علمی جواہر پاروں سے مسلمانان عالم کے دامن کو مالا مال کریں۔ اور یہ علمی خدمات حضرت موصوف کے لئے اجر جزیل اور بلندیٔ درجات کا موجب ہوں اور ارباب ذوق کو اپنی شگفتہ تالیفات وانتخابات سے مزید نوازتے رہیں۔آمین یا الہ العالمین۔

واللہ سبحانہ وتعالٰی ولی الهداية والتوفيق وهو حسبنا ونعم الوكيل.
وصلى الله على حبيبه سيد الانام محمد وعلى اله واصحابه اجمعين.
ما بقيت الدنيا الى يوم الدين.

خادم العلم واهله
عطاء الرحمٰن اشرف
جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ
۱۵ نومبر ۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از مولانا بشیر انصاری صاحب ایم۔اے، مدیر اعلیٰ ''الاسلام'' جامعہ محمدیہ چوک اہل حدیث گوجرانوالہ

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات اور عالمگیر دین ہے' جس کی تعلیمات اور اقدار اس قدر تابناک اور آفاقی ہیں کہ زندگی کا کوئی شعبہ' مسائل کا کوئی پہلو، سفر حیات کا کوئی موڑ، فکر و نظر کا کوئی گوشہ اور سعی و عمل کا کوئی عنوان ایسا نہیں جس کے لئے اسلام سے روشنی اور سیرت رسول نبوی ﷺ سے ہدایات نہ ملتی ہوں۔ ایسے حالات میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان ہدایات کو اپنے فکر و عمل کا محور بنائے اور دارین میں فلاح و کامرانی حاصل کرے۔

عرصہ ہوا ہمارے فاضل اور محقق دوست شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز مہتمم جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ نے ہماری خواہش پر ہفت روزہ ''الاسلام'' میں ''سفر کے احکام واذکار'' کے موضوع پر لکھنے کا وعدہ فرمایا۔ چنانچہ اس کی متعدد قسطیں ''الاسلام'' میں شائع ہوئیں' جسے اہل علم نے بے حد پسند کیا۔ مگر مولانا موصوف اپنی گوناگوں مصروفیات کی بناء پر یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ لیکن جب اہل علم کا اصرار شدت اختیار کر گیا تو انہوں نے اس موضوع پر کتاب و سنت کی روشنی میں ایک جامع کتاب مرتب فرما دی جو کم و بیش یک صد عنوانات پر مشتمل ہے۔ ہماری رائے میں مولانا موصوف نے یہ محققانہ کتاب لکھ کر بڑی حد تک موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مولانا موصوف تصنیف و تالیف کا یہ سلسلہ جاری رکھیں گے اور اپنے رشحات فکر اور تحقیق سے لوگوں کو مستفید کرتے رہیں گے۔

بشیر انصاری، ایم۔اے

مورخہ ۱۶۔ مارچ ۱۹۸۴ء

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے جو دین اسلام ہمیں عطا فرمایا ہے وہ ہر لحاظ سے مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اور یہ دین ہمیں چونکہ اس کے آخری رسول ﷺ کی معرفت ملا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زندگی کو تمام مسلمانوں کے لئے بہترین نمونہ بنا دیا ہے۔ چنانچہ انسانی زندگی کے سفر وحضر کا کوئی ایسا گوشہ اور موڑ نہیں ہے جس میں ہدایت کی ضرورت ہو اور آپ کی طرف سے کوئی ہدایت ورہنمائی نہ ملی ہو۔ اس لئے ہر شخص کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اپنے سفر وحضر کو اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق بنائے۔ اسی میں دین ودنیا کی کامیابی ہے۔

چند سال گزرے کہ میں نے ''سفر کے احکام واذکار'' کے عنوان پر لکھنا شروع کیا تھا جو ہفت روزہ ''الاسلام'' گوجرانوالہ میں چھپتا رہا۔ اس وقت میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ مقالہ اہل علم میں اتنا پسند کیا جائے گا۔ مگر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اسے شرف قبول بخشا اور ارباب فضل وکمال نے اس کو پسند کیا۔ اس دوران جن بزرگوں اور دوستوں نے مجھے حوصلہ افزاء کلمات سے یاد فرمایا ان میں سے بعض نے اسے الگ ایک مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کرنے کا مشورہ دیا۔

چنانچہ انہی دوستوں کے مشورہ کی بناء پر اسے رسالہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے جس میں آداب سفر، اذکار سفر اور مسائل واحکام سفر کتب احادیث سے جمع کئے گئے ہیں تاکہ عوام الناس اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے سفر کو اسوۂ رسول ﷺ کے مطابق بنا کر عنداللہ

ماجور ہوں۔

اس رسالہ کی تالیف وتسوید میں عزیزم مولوی محمد یونس صاحب تمرجالوی فاضل عربی، فاضل جامعہ رحمانیہ نے حوالہ جات کی تلاش وجستجو میں میرے ساتھ بہت زیادہ تعاون کیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور مؤلف کے لئے زادآخرت بنائے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾

محمد علی جانباز

جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ

٦۔جنوری ١٩٨٣ء

انسانی زندگی کی حالتیں

انسانی زندگی کی دو حالتیں ہیں:

۱: حالت حضر ۲: حالت سفر

ان دونوں حالتوں میں سے مؤخر الذکر حالت میں چونکہ مشقت و تکلیف کا امکان زیادہ ہوتا ہے' بدیں وجہ اللہ رحیم و کریم نے اس امت پر رحم کرتے ہوئے تخفیف و یسر کی سہولت سے نوازا ہے۔ کیونکہ ہمارے دین میں تنگی نہیں ہے' ہمارا دین تمام دینوں سے آسان ہے۔ جہاں مشقت و تکلیف کا امکان تھا وہاں تخفیف کا سوال کئے بغیر خود ہی اللہ تعالیٰ نے آسانی پیدا کر دی ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ حضرت ابو عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ تشریف لائے' سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ وضو یا غسل کر کے تشریف لائے ہیں۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ سے سوالات کرنے شروع کر دیئے کہ حضور ﷺ کیا فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ فلاں کام میں کوئی حرج ہے؟ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کا دین آسانیوں والا ہے۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ (ابن کثیر: ج۱' ص ۳۸۳)

ایک اور روایت میں ہے حضرت مجحن بن ادرع فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ غور سے آپ دیکھتے رہے پھر فرمایا کہ کیا تم اسے سچائی کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھ رہے ہو؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تمام اہل مدینہ سے زیادہ نماز پڑھنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے نہ سناؤ کہیں

یہ تعریف اس کی ہلاکت کا باعث نہ ہو۔ سنو اللہ کا ارادہ اس امت کے ساتھ آسانی کا ہے سختی کا نہیں۔ (ابن کثیر' حوالہ مذکورہ بالا)

سفر کی مختلف اقسام

امام قرطبی نے سورۂ نساء کی تفسیر میں ہجرت اور ترک وطن کی قسمیں اور ان کے کچھ احکام پر ایک مفید مضمون تحریر فرمایا ہے' اتمام فائدہ کے لئے اِسے نقل کیا جاتا ہے۔

قرطبی نے بحوالہ ابن عربی لکھا ہے کہ وطن سے نکلنا اور زمین میں سفر کرنا، کبھی تو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی کسی چیز کی طلب وجستجو کے لئے۔ پہلی قسم کا سفر جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے ہو اس کو ہجرت کہتے ہیں اور اس کی چھ قسمیں ہیں۔

اوّل: یعنی دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا۔ یہ قسم سفر عہد رسالت میں بھی فرض تھی اور قیامت تک بشرط استطاعت وقدرت فرض ہے جب کہ دارالکفر میں اپنے جان و مال اور آبرو کا امن نہ ہو یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو' اس کے باوجود دارالحرب میں مقیم رہا تو گناہگار ہوگا۔

فضائل ہجرت:

قرآن وسنت میں ہجرت کے فضائل و برکات بہت آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۂ نحل)

''جو لوگ ظلم سہنے کے بعد اللہ کی خاطر ہجرت کر گئے ہیں ان کو ہم دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے''۔

اس آیت میں اللہ احکم الحاکمین نے چند شرائط کے ساتھ مہاجرین کے لئے دو عظیم الشان وعدے کئے ہیں۔ اوّل تو دنیا ہی میں اچھا ٹھکانا دینے کا' دوسرے آخرت

کے بے حساب ثواب عظیم کا۔ دنیا میں اچھا ٹھکانا ایک نہایت جامع لفظ ہے۔ اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجر کو سکونت کے لئے مکان اور پڑوسی اچھے ملیں یہ بھی داخل ہے کہ اس کو رزق اچھا ملے' دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہو جائے' عام لوگوں کی زبان پر ان کی تعریف اور بھلائی ہو' عزت و شرف ملے جو ان کے خاندان اور اولاد تک چلے۔

مہاجرین حبشہ و مدینہ کا سب لوگوں نے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ان کا کیسا اچھا ٹھکانا بنا دیا' ایذاء دینے والے پڑوسیوں کے بجائے غمخوار ہمدرد و جاں نثار پڑوسی ملے' دشمنوں پر فتح و غلبہ نصیب ہوا' ہجرت کا تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد ان پر رزق کے دروازے کھل گئے' فقراء و مساکین مالدار ہو گئے' دنیا کے ممالک فتح ہو گئے۔ ان کے حسن اخلاق اور حسن عمل کے کارنامے رہتی دنیا تک ہر موافق و مخالف کی زبان پر ہیں۔ ان کو اور ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت و شرف بخشا۔ یہ تو دنیا میں ہونے والی چیزیں تھیں جو ہو چکیں اور آخرت کا وعدہ پورا ہونا بھی یقینی ہے۔

﴿فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ (سورۃ آل عمران)

''جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے لئے لڑے اور مارے گئے ان کے سب قصور میں معاف کردوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں۔ یہ ان کی جزا ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے''۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ (سورۃ الانفال)

''جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں' ان کے لئے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے''۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُوْلٰئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (سورۂ بقرہ)

''جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے خدا کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا اور جہاد کیا ہے وہ رحمت الٰہی کے جائز امیدوار ہیں اور اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے''۔

یعنی جو لوگ حقیقۃً ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور جہاد میں حصہ لیا ہو ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں۔

دوسرا سفر دار البدعت سے نکل جانا:

ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس مقام میں قیام کرنا حلال نہیں جس میں سلف صالحین پر سب وشتم کیا جاتا ہو۔ ابن عربی یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اگر تم کسی منکر کا ازالہ نہیں کر سکتے تو تم پر لازم ہے کہ خود وہاں سے علیحدہ ہو جاؤ۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ اٰيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهِ﴾ (سورۃ الانعام:۶۸)

''اور (اے محمد ﷺ!) جب تم دیکھو کہ لوگ ہماری آیات پر نکتہ چینیاں کر رہے ہیں تو ان کے پاس سے ہٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ اس گفتگو کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں لگ جائیں۔''

تیسرا سفر:

وہ ہے کہ جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا، کیونکہ طلب حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

چوتھا سفر جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لئے:

یہ سفر جائز اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے نکل جائے تا کہ اس خطرہ سے نجات ہو۔ یہ چوتھی قسم

کا سفر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا جب قوم کی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عراق سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور فرمایا "اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ"۔ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی ایک سفر مصر سے مدین کی طرف کیا "فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَّتَرَقَّبُ"۔

پانچواں سفر:

آب وہوا کی خرابی اور امراض کے خطرہ سے بچنے کے لئے ہے۔

شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ چرواہوں کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کا اشارہ فرمایا کیونکہ شہری آب وہوا ان کو موافق نہ تھی۔ اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم بھیجا تھا کہ دارالخلافہ اردن سے منتقل کر کے کسی سطح مرتفع پر لے جائیں جہاں آب وہوا خراب نہ ہو۔

لیکن یہ اس وقت ہے جب کسی مقام پر طاعون یا وبائی امراض پھیلے ہوئے نہ ہوں اور جس جگہ وباء پھیل جائے اس کے لئے حکم یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ پہلے سے موجود ہیں وہ وہاں سے نہ بھاگیں اور جو باہر ہیں وہ اس کے اندر نہ جائیں۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سفر شام کے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ سرحد شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے' تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مسلسل مشورہ کے بعد آخر میں جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((اِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَّاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا مِنْهَا وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَّلَسْتُمْ بِهَا فَلَا تَهْبِطُوْا عَلَيْهَا)) (ترمذی: ص۱۵۹' ج۱)

"جب کسی خطہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہو۔"

اس وقت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حکم حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پورے قافلہ کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وباء پھیل چکی ہے تو وہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظن غالب ہے۔ وہ اگر وہاں سے بھاگیں گے تو جس میں یہ مادہ وبائی سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں اور جہاں جائے گا وہاں کے لوگ اس سے متاثر ہوں گے' اس لئے یہ حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔

چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے ہے:

جب کوئی شخص کسی مقام میں چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے منتقل ہو جائے' شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ کیونکہ مسلمان کے مال کا بھی ایسا ہی احترام ہے جیسا اس کی جان کا۔

یہ چھ (۶) قسمیں تو اس ترک وطن کی ہیں جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے کیا گیا ہو۔ اور جو سفر کسی چیز کی طلب و جستجو کے لئے کیا جائے اس کی نو (۹) قسمیں ہیں:

ا۔ سفر عبرت:

دنیا کی سیاحت و سفر اس لئے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرت کاملہ کا اور اقوام سابقہ کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کرے۔ قرآن کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے: ﴿أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ﴾ حضرت ذوالقرنین کے سفر کو بھی بعض علماء نے اسی قسم کا سفر قرار دیا ہے اور بعض نے فرمایا ہے کہ ان کا سفر زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لئے تھا۔

۲۔ سفر حج:

اس کا چند شرائط کے ساتھ فرض اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔ مختلف احادیث میں اس کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں حضور ﷺ کی خدمت میں منیٰ کی مسجد میں حاضر تھا کہ دو شخص ایک انصاری اور ایک ثقفی حاضر خدمت ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا کہ حضور ہم کچھ دریافت کرنے

آئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا تمہارا دل چاہے تو تم دریافت کرلو اور اگر تم کہو تو میں بتاؤں کہ تم کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا آپ ہی ارشاد فرمادیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم حج کے متعلق دریافت کرنے آئے ہو کہ حج کے ارادہ سے گھر سے نکلنے کا کیا ثواب ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت پڑھنے کا کیا فائدہ اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کا کیا ثواب ہے؟ اور عرفات میں ٹھہرنے اور شیطان کو کنکریاں مارنے کا اور قربانی کرنے کا اور طواف زیارت کرنے کا کیا ثواب ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس پاک ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے یہی سوالات ہمارے ذہن میں تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلنے کے بعد تمہاری (سواری) اونٹنی جو ایک قدم رکھتی ہے یا اٹھاتی ہے وہ تمہارے اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور طواف کے بعد دو رکعتوں کا ثواب ایسا ہے جیسا ایک عربی غلام کو آزاد کیا ہو اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کا ثواب ستر غلاموں کو آزاد کرانے کے برابر ہے۔ اور عرفات کے میدان میں جب لوگ جمع ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ آسمان دنیا پر اتر کر فرشتوں سے فخر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میرے بندے دور دراز سے پراگندہ بال آئے ہوئے ہیں' میری رحمت کے امیدوار ہیں اگر تم لوگوں کے گناہ ریت کے ذروں کے برابر ہوں یا بارش کے قطروں کے برابر ہوں یا سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں تب بھی میں نے معاف کردیئے۔ میرے بندو! جاؤ بخشے بخشائے چلے جاؤ۔ تمہارے بھی گناہ معاف ہیں اور جن کی تم سفارش کرو ان کے بھی گناہ معاف ہیں۔ (القریٰ لقاصد ام القریٰ : ص ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَتٰی هٰذَا الْبَیْتَ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ))

(مشکوٰۃ: ص ۲۲۱)

''جو شخص خلوص نیت کے ساتھ بیت اللہ کی طرف سفر کرے اور اس میں فحش کام اور گالی گلوچ' لڑائی جھگڑے اور فسق و فجور سے بچتا رہے تو وہ گناہوں سے ایسا صاف و پاک ہو جاتا ہے گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جو شخص حج یا عمرہ کے لئے نکلے اور مر جائے نہ اس کی عدالت میں پیشی ہے نہ حساب کتاب۔ اسے کہہ دیا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ (القریٰ لقاصد ام القریٰ: ص ۱۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حج کے لئے جائے اور راستہ میں انتقال کر جائے اس کے لئے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا اور اسی طرح جو شخص عمرہ کے لئے جائے اور راستہ میں مر جائے تو اس کو قیامت تک عمرہ کا ثواب ملتا رہے گا اور جو شخص جہاد کے لئے نکلے اور راستہ میں مر جائے تو اس کے لئے بھی قیامت تک مجاہد کا ثواب لکھا جائے گا۔ (القریٰ : ص ۱۵)

سفر حج اور عمرہ سے گناہوں کی مغفرت اور باطنی پاکیزگی کے علاوہ اس دنیا میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تنگدستی دور ہو کر فارغ البالی کی نعمت میسر ہو جاتی ہے۔ تجربہ کرنے والوں نے اس کا تجربہ کیا ہے کہ پے در پے حج اور عمرے کرنے سے ان کی تنگدستی خوشحالی میں تبدیلی ہو گئی۔ یہ مضمون بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعدد سندوں سے نقل ہوا ہے۔

۳۔ سفر جہاد:

اس کا فرض یا مستحب ہونا بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔

سفر جہاد اور اس کے فضائل:

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

ایک دن رات سرحد کی حفاظت میں رہنا ایک مہینہ تک روزے رکھنے اور نمازیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ اسی دوران مر جائے تو اس کے وہ تمام اعمال جاری رہتے ہیں جو وہ اپنی زندگی میں کرتا تھا اور اس کا رزق بھی جاری رہتا ہے اور وہ فتنہ اٹھانے والے کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ (ابن کثیر: ص ۱۸۸، ج ۲)

ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ:

جس بندے کے قدم راہ خدا میں غبار آلود ہو جائیں تو مجال نہیں کہ اسے جہنم کی آگ چھو بھی جائے۔ (مشکوٰۃ: ص ۳۲۹)

۴۔ سفر معاش:

جب کسی شخص کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو سکے تو اس پر لازم ہے کہ یہاں سے سفر کر کے دوسری جگہ روزگار تلاش کرے۔

سفر معاش کے فضائل:

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

ایک شخص تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے متعلق چہ میگوئیاں شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ شخص اپنے چھوٹے بچوں کی خاطر کسب معاش یا بوڑھے ماں باپ کی خدمت یا اپنے آپ کو گناہ سے محفوظ کرنے کے لئے نکلا ہے تو ان تمام صورتوں میں وہ مجاہد فی سبیل ہے اور اگر فخر و ریا کے لئے نکلا ہے تو فی سبیل اللہ کی بجائے شیطانی راستہ میں نکلا ہے۔ (کنز العمال! جلد ۴ ص ۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا:

" مَا مِنْ حَالٍ يَّأْتِيْنِيْ عَلَيْهِ الْمَوْتُ بَعْدَ الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَّأْتِيَنِيْ وَاَنَا بَيْنَ شُعْبَتَيْ جَبَلٍ اَلْتَمِسُ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔"

(تفسیر قرطبی: سورۂ جمعہ)

"جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی درے سے گزر رہا ہوں اور وہاں مجھ کو موت آ جائے"۔

﴿وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (سورۂ مزمل)

"کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اللہ کے فضل کی تلاش میں سفر کرتے ہیں"۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے پاک رزق کی تلاش اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر جس طرح ایک ساتھ کیا ہے اور بیماری کی مجبوری کے علاوہ ان دونوں کاموں کو نماز تہجد سے معافی یا اس میں تخفیف کا سبب قرار دیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں جائز طریقوں سے روزی کمانے کے لئے سفر کی کتنی اہمیت و فضیلت ہے۔

۵۔سفرِ تجارت:

یعنی قدر ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا' یہ بھی شرعاً جائز ہے۔حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

ابتغائے فضل سے مراد اس آیت میں تجارت ہے۔اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دے دی ہے' تو تجارت کے لئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔

۶۔طلب علم کے لئے سفر:

اس کا بقدر ضرورت دین فرض عین ہونا اور زائد از ضرورت فرض کفایہ ہونا معلوم و معروف ہے۔

طلب علم کے لئے سفر کے فضائل:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش کے سلسلہ میں کوئی راستہ طے کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس شخص کے لئے جنت کی راہ آسان کر دے گا۔(مشکوٰۃ:ص۳۲'ج۱)

علم کی تلاش وجستجو کے لئے جو بھی اٹھے گا خواہ کوئی دور دراز کا سفر ہو یا چند قدم چلنا ہو سب اس فضیلت میں آئیں گے۔اور علم خواہ ایک مسئلہ اور دین کی ایک بات کا ہو یا پورے علوم شرعیہ واسلامیہ کا حاصل کرنا مقصود ہو سب طلب علم ہے اور ہر ایک پر حسب مراتب اجر وثواب ملے گا۔

(۲) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جاہل مر جانے کے خوف سے جو بندہ طلب علم کے لئے نکلتا ہے یا سنت مٹ جانے کے ڈر سے اس کے احیاء کے لئے چلتا ہے تو اس کی مثال غازی کی ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلتا ہے۔جسے عمل نے پیچھے کر دیا نسب اسے آگے نہیں کرے گا۔

(العلم والعلماء:ص۷۸)

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں اپنی سرخ چادر پر ٹیک لگائے تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں علم حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔ فرمایا طلبگار علم کے لئے مبارک ہو' طالب علم کو فرشتے اپنے پروں کے اندر لے لیتے ہیں اور پھر اس کثرت سے آ کر اوپر تلے جمع ہو جاتے ہیں کہ آسمان تک ان کا سلسلہ پہنچ جاتا ہے اور یہ صرف اس لئے ہوا ہے کہ فرشتوں کو اس شخص کی مطلوب شے (علم) سے محبت ہے۔ (ترغیب: ص ۹۷' ج ۱)

۷۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر:

جس کو رباط کہا جاتا ہے۔ احادیث کثیرہ میں اس کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔

۸۔ عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر:

حدیث میں اس کو بھی باعث اجر وثواب قرار دیا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں ملاقات کے لئے سفر کرنے والے کے لئے فرشتوں کی دعا کا ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ایک شخص اپنے بھائی سے ملاقات کے لئے چلا جو ایک دوسری بستی میں رہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گزر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کر بٹھا دیا۔ (جب وہ شخص اس مقام سے گزرا تو) فرشتے نے اس سے پوچھا تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتے نے کہا کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لئے جا رہے ہو؟ اس بندہ نے کہا نہیں' میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لئے مجھے اس بھائی سے محبت ہے یعنی اللہ کے لئے محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔ تو فرشتے نے کہا کہ:

"اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِیْهِ" (مشکوٰۃ: ص ۴۲۶' ج ۲)

''میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لئے بھیجا ہے

کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ تم اللہ کے لئے اس بندے سے محبت کرتے ہو۔"

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت ﷺ کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندے کا اپنے کسی بھائی سے اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنا اور اس للہ محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لئے سفر کرنا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتے کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہنچاتا ہے۔ ﴿فَطُوْبیٰ لَهُمْ وَبُشْرٰی لَهُمْ﴾ (ان کو مبارک ہو ان کو بشارت ہو)۔

۹۔ کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا:

یہ سوائے تین مسجدوں کے جائز نہیں۔

۱۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ)۔

۲۔ مسجد نبوی (مدینہ منورہ)۔

۳۔ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس)۔

حدیث شدرحال کی تشریح

بعض لوگ مشاہد انبیائے کرام اور مقابر اولیائے عظام کی زیارت کے لئے سفر کرنا جائز سمجھتے ہیں' حالانکہ حدیث شد رحال سے اس کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ ذیل میں سب سے پہلے حدیث شد رحال کا متن مع ترجمہ و تشریح پیش کیا جاتا ہے اور بعد میں علمائے سلف و خلف کے اقوال پیش کیے جائیں گے' جن سے واضح طور پر ثابت ہو گا کہ تقرب و ثواب کی نیت سے صرف تین مساجد کا سفر جائز ہے بلکہ مستحب ہے' ان کے علاوہ دوسری مساجد و مقابر و مزارات کے لئے شد رحال یعنی سفر جائز نہیں ہے۔

متن حدیث:۔ ((عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ لا تشد الرحال الا الی ثلا ثہ مساجد' مسجد الحرام' مسجد الاقصیٰ' ومسجدی ھذا))۔

(مشکوٰۃ : ص ۲۱۹' بخاری: کتاب الحج 'باب حج النساء۔ مسلم: کتاب الحج'

باب سفر مرأة مع محرم)

حضرت ابو سعید خدری ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کجاوے نہیں کسے جا سکتے مگر تین مساجد کی طرف۔ (۱) مسجد الحرام۔ (۲) مسجد اقصیٰ (۳) میری اس مسجد (مسجد نبوی) کی طرف۔

مذکورہ حدیث سے صراحت کے ساتھ یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ ان تین مساجد کے لئے تقرب و ثواب کی نیت سے سفر کا ارادہ کرنا مستحب ہے۔ ان تین کے سوا کسی اور جگہ "زیارت" کے لئے سفر کرنا منع ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ نے ((اللهم لا تجعل قبری و ثنا یعبد)) فرما کر اپنی قبر کو موضع تقدیس قرار دیئے جانے سے پناہ طلب فرمائی۔ پس جب تقرب الی اللہ کے خیال سے عام طور پر مجرد زیارت قبور منع ہے تو رسول اللہ ﷺ کی تربت کی زیارت اس اصول پر تو خصوصیت کے ساتھ ممنوع ہونی چاہئے۔

نحویین کا اختلاف:۔ مذکورہ شد رحال کی حدیث کی تشریح میں دو رائے پیش کی گئی ہیں:

(۱) ایک رائے تو وہی ہے جو مذکورہ بالا سطور میں پیش کی گئی ہے۔ یعنی نحوی قاعدے کے مطابق اصل عبارت یوں ہے۔ ((لا تشد الرحال الی ای موضع من المواضع الا الی ثلاثة مساجد)) یعنی کسی جگہ کا بھی سفر نہیں ہو سکتا مگر صرف تین مساجد اس ممانعت سے مستثنیٰ ہیں۔ نحویوں کی اصطلاح میں اسے مستثنیٰ منہ ممنوع کہا جاتا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ خاص یعنی مسجد مانا جائے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کسی مسجد کی طرف سفر نہیں کیا جا سکتا ہے سوائے تین مساجد کے۔ اس صورت میں مشاہد انبیاءؑ اور مقابر اولیاء کے لئے سفر کیا جا سکتا ہے۔ یہ رائے امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے اہل علم کی ہے۔

قوی مسلک:۔ لیکن دلائل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرز عمل کی روشنی میں پہلی رائے زیادہ قوی اور راجح ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا نقطۂ نظر یہی ہے۔ اسی رائے کی تائید میں بہت سے اہل علم کی آراء پیش کی جا سکتی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک: - حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب کوہِ طور کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور واپس آئے تو حضرت بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((من این اقبلت فقلت (ابوهريرة) من طور فقال لو ادركتك قبل ان تخرج اليه ما خرجت سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تعمل المطى الا الى ثلاثة مساجد و قال الراوى و وافق ذالك ابوهريرة رضى الله عنه)).

(موطا امام مالك رحمه الله تعالىٰ : ص ۷۲ مع شرحه للشيخ و لى الله الدهلوى مكتبة سلفية مكة مكرمة)

کوہِ طور کی زیارت: - جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کوہِ طور سے واپس آئے تو حضرت بصرہ غفاری نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "کوہِ طور سے۔" بصرہ غفاری نے فرمایا اگر کوہ طور پر جانے سے قبل میری آپ سے ملاقات ہو جاتی تو آپ کوہِ طور کے لئے سفر نہ کرتے' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ سفر کے لیے سواریوں کا اہتمام صرف تین مساجد کی طرف ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا مسلک: - اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی لکھتے ہیں:

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ بغرض تقرب وثواب ممنوع ہے۔ اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل جاہلیت نے مقامات ایسے گھڑ لئے تھے جہاں وہ تعظیم وتکریم کی غرض سے جایا کرتے تھے' محض اپنی (خود ساختہ) رائے کی بناء پر۔ (المسوی مع الموطا: ص ۷۳)

حجۃ اللہ کی عبارت: - شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی شہرۂ آفاق کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

" قلت كان اهل الجاهلية يقصدون مواضع مخطمة بزعمهم يزورونها و يتركون وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى فسد النبى ﷺ الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله والحق عندى

ان القبر و محل عبادة ولی من اولیاء و الطور کل ذلک سواء فی النھی"

(ص۱۵۳' ج۱)

"میں کہتا ہوں کہ اہل جاہلیت اپنے خیال کے مطابق لائق تعظیم مقامات کی زیارت کرتے تھے اور برکت حاصل کرتے تھے۔ اس طرز عمل میں (دین) اور فساد (عقیدہ) کے جو جراثیم پائے جاتے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے (اس فرمان کے ذریعے) اس فساد کا دروازہ بند کر دیا تا کہ جو مقامات شعائر دین میں سے نہیں ان کو شعائر نہ قرار دیا جائے نیز یہ کہ یہ طریق کار غیر اللہ کی عبادت کا ذریعہ نہ بننے پائے۔ میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ قبر یا کسی ولی کی عبادت گاہ یا کوہ طور یہ سب مقامات ممانعت میں یکساں ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز کی رائے:۔ اسی سے ملتا جلتا مسلک شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اختیار کیا ہے۔ مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"المستثنی منه المحذوف فی ھذا الحدیث اما جنس قریب او جنس بعید فعلی الاول تقدیر الکلام لا تشد الرحال الی المساجد الا الی ثلاثة مساجد فحینئذ شد الرحال الی غیر المساجد مسکوت عنه وعلی الوجه الثانی تشد الرحال الی موضع یتقرب به الا الی ثلاثة مساجد فحینئذ شد الرحال الی غیر المساجد الثلا ثة المعظمة منھی عنه بظاھر سیاق الحدیث و یؤیده ما رواه ابو ھریرة عن بصرة الغفاری حین رجع عن الطور و تمامة فی الموطا و ھذا الوجه قوی من جھة مدلول حدیث بصره۔"

(عون المعبود ص۱۶۷' ج۲۔ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ص۴۵۵' ج۱)

"اس حدیث میں جو مستثنیٰ منہ محذوف ہے وہ یا تو جنس قریب سے ہوگا یا جنس بعید سے۔ پہلی صورت میں اصل عبارت اس طرح ہو گی "لا تشد الرحال الی المساجد الا الی ثلاثة مساجد۔" اس صورت میں غیر مساجد کی طرف شد رحال مسکوت عنہ ہوگا اور دوسری صورت میں اصل عبارت اس طرح ہوگی "لا تشد

الرحال الی موضع یتقرب به الا الی ثلا ثة مساجد۔" اس صورت میں تین عظیم مساجد کے سوا سفر کرنا حدیث کے ظاہر سیاق سے منع ثابت ہوتا ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے کوہِ طور سے واپس آ کر حضرت بصرہ غفاری سے روایت کیا ہے اور یہ پوری حدیث موطا امام مالک میں ہے۔ حدیث کے بصرہ کے مدلول کے لحاظ سے یہ دوسری وجہ میرے نزدیک قوی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر: -- امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(۱) "ان الصحابة كأبي سعيد الخدری و عبدالله بن عمرو و بصرة و ابی هريرة رضی الله عنهم فهموا من الحديث شموله لغير المساجد و فهموا منه النهی۔" (الرد علی الاخنائی : ص ۳۷۶)

(۲) "ان الصحابة فی خلافة ابی بكر و عمر و عثمان و علی و من بعدهم الی انقراض عصرهم لم یسافر احد منهم الی قبر نبی ولا رجل صالح۔" (غاية الامانی : ص ۱۱۹ ج ۱ بحوالہ الجواب الباہر)

(۳) "سائر الصحابة مثل معاذ و ابی عبیدة و عبادة بن الصامت و ابی الدرداء رضی الله عنهم وغیرهم لم یعرف عن احد منهم انه مسافر لقبر من القبور۔" (الصارم المنکی ص ۱۷۔ الرد علی الاخنائی : ص ۲۳۱)

(٤) "وقد اختلف اصحابنا و غیرهم هل یجوز السفر الیها علی قولین

(۱) احدهما لا یجوز و هذا عند ابن بطة وابن عقیل و غیرهما

(۲) والثانی انه یجوز السفر الیها قاله طائفة من المتأخرین وما علمته من احد من المتقدمین۔" (اقتضاء الصراط المستقیم : ص ۱۵۸)

پہلے مسلک کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، جمہور مالکیہ، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور امام جوینی کے نزدیک اس حدیث کی رو سے مساجد ثلاثہ کے سوا کسی جگہ کے لئے تقربی سفر نا جائز ہے۔ ملاحظہ ہو (الرد علی الاخنائی: ص ۲۶۲)۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو

(حیات امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ابو زہرہ مع تعلیقات مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ تعالیٰ: ص ۵۰۳)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل:- مذکورہ بالا عربی عبارات کا خلاصہ یہ ہے۔ (۱) صحابہ کرام مثلاً ابو سعید خدری' عبداللہ بن عمر' بصرہ غفاری' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سب اس حدیث سے یہی سمجھتے ہیں کہ حکم عام ہے مساجد اور غیر مساجد سب کو شامل ہے۔ لہٰذا مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی مقام کا سفر بغرض تقرب ممنوع ہے۔ (۲) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چاروں خلفائے راشدین کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی کسی سے ثابت نہیں ہے کہ کسی نے کسی نبی یا ولی کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا ہو۔ (۳) صحابہ کرام مثلاً معاذ بن جبل' ابو عبیدہ' عبادہ بن صامت' ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور باقی میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے کسی قبر کی زیارت کے لئے سفر کیا ہو۔ (۴) متاخرین میں سے ایک اہم تعداد کا ممانعت پر اصرار ہے۔ یہی مسلک علمائے حجاز و نجد کا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو فتح الباری: صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیخ دحلان : ص ۸۸' تالیف لطیف مولانا محمد بشیر السہسوانی۔

ان مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ امام غزالی کا مسلک مرجوح ہے اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا نقطۂ نظر راجح اور قوی ہے۔

صبح سویرے سفر کرنا باعث برکت ہے

علی الصبح سفر کے لئے روانہ ہونا مستحب اور باعث برکت ہے۔ حضرت صخر الغامدی ﷜ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِھَا)) (ابوداؤد: ج ۱' ص ۳۵۸' ترمذی: ج ۱' ص ۱۴۵)

''اے اللہ میری امت کے لئے دن کے ابتدائی حصہ میں برکت عطا فرما''۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَاكِرُوْا الْغُدُوَّ فِيْ طَلَبِ الرِّزْقِ فَإِنَّ الْغُدُوَّ بَرَكَةٌ وَّنَجَاحٌ))

(ترغیب: ج ۲' ص ۸۷۸)

"طلب معاش کے لئے صبح صبح نکلا کرو۔ کیونکہ صبح کے وقت برکت وکامیابی ہوتی ہے۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ: میں صبح کے وقت سوئی ہوئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کا میرے پاس سے گذر ہوا۔ آپ نے اپنے پاؤں مبارک سے مجھے ہلایا اور کہا اے بیٹی! اپنے رب کے رزق تقسیم کرنے کے وقت اٹھ کر حاضر ہو جاؤ اور غافلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صبح صادق سے لے کر طلوع شمس تک لوگوں کے درمیان رزق تقسیم کرتے ہیں۔ (ترغیب: ج۲ص۸۷۹)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((نَوْمُ الصُّبْحَةِ يَمْنَعُ الرِّزْقَ)) (قَالَ شَارِحُ الجَامِعِ الصَّغِيْرِ "هُوَ حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ") (احمد، بیہقی، ترغیب: ج۲ص۸۷۹)

"صبح کے وقت سونا رزق سے محرومی پیدا کرتا ہے"۔

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کبھی چھوٹا یا بڑا لشکر روانہ فرماتے تو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے۔ چنانچہ حدیث کے راوی کا بیان ہے کہ حضرت صخر رضی اللہ عنہ تاجر تھے۔ وہ اپنے تجارتی سامان کو دن کے ابتدائی حصہ میں روانہ فرماتے تو ان کی تجارت بڑھی اور مال میں اضافہ ہوا۔ (مشکوٰۃ: ج۱ص۳۳۹، سنن دارمی: ج۲، ص۱۳۴، جامع الاصول: ج۶ص۱۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: سفر اور دعا کے لئے صبح کا وقت افضل ہے۔ (احیاء العلوم للغزالی رحمه الله تعالیٰ)

الغرض آنحضرت ﷺ کا اپنا معمول بھی یہی تھا کہ علی الصبح سفر پر روانہ ہوتے اور اپنی امت کو بھی اس کا حکم فرمایا۔ کیونکہ خیر و برکت کا وقت ہوتا ہے طبیعت ہشاش بشاش ہوتی ہے کام وقت پر ختم ہو جاتا ہے۔

سفر میں ساتھی بنانا

سفر پر روانہ ہوتے وقت اگر ممکن ہو تو کوئی نیک ساتھی تلاش کر لینا چاہئے کیونکہ

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی الْوَحْدَةِ مَا اَعْلَمُ مَا سَارَ رَاکِبٌ بِلَیْلٍ وَحْدَهُ))

(بخاری ج ۱ ص ۴۲۱)

"اگر لوگوں کو وہ کچھ معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں کہ تنہا سفر کرنے میں کیا کیا مصائب ونقصانات رونما ہوتے ہیں تو کوئی سوار رات کو تنہا سفر نہ کرے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اکیلا سونے اور سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (الفتح الربانی: ج ۵ ص ۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: خیبر سے ایک آدمی سفر پر نکلا تو دو آدمی اس کے پیچھے لگ گئے اور ایک تیسرا شخص ان دونوں کے پیچھے چلا۔ وہ ان دونوں کو کہنے لگا ٹھہر جاؤ' یہاں تک کہ اس نے ان دونوں کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد پھر وہ اس پہلے مسافر کو جا ملا اور کہنے لگا کہ تیرے پیچھے یہ دونوں آنے والے شیطان تھے۔ میں نے انہیں واپس کر دیا ہے۔ جب تم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچو تو آپ کو سلام کہنا اور انہیں خبر دینا کہ ہم یہاں زکوۃ جمع کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو مال زکوۃ کی ضرورت ہو تو ہم آپ کے پاس بھیج دیتے ہیں۔ پھر جب اس شخص نے مدینہ واپس آ کر حضور ﷺ کو اس واقعہ کی خبر دی تو اس وقت آپ ﷺ نے اکیلے سفر کرنے سے منع کر دیا۔

(الفتح الربانی: ج ۵ ص ۶۲)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جب تنہا رات کو سوار ہو کر سفر کرنا خطرات سے خالی نہیں تو پیدل تنہا رات کو سفر کرنا بطریق اولیٰ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ قتل و غارت اور لوٹ مار کی اکثر وارداتیں رات کو ہی ہوتی ہیں۔ پہلی حدیث میں اگرچہ رات کی قید ہے مگر دن میں بھی تنہا سفر کرنے سے (خصوصاً جب سفر طویل ہو) پرہیز کرنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس آدمی کے متعلق جس نے اکیلے سفر کیا تھا مجھے بتاؤ اگر وہ مرجاتا تو میں اس کی بابت کس سے سوال کرتا۔ (بلوغ الامانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں ساتھی بنانا ضروری

ہے۔ اکیلا سفر کرنے والا اگر مر جائے تو اس کے پاس کوئی آدمی نہیں ہوگا جو اس کی تجہیز وتکفین کر سکے۔ اور اپنے مال کی وصیت کرنے کے لئے اس کے پاس کوئی آدمی نہیں ہوگا جو اس کے مال کو ورثاء تک پہنچا دے اور اس کے متعلق ان کو آگاہ کر سکے اور نہ ہی سواری پر سامان لادنے کے لئے اس کا کوئی معاون ہوگا۔ اگر کوئی ہمسفر ہوگا تو ایک دوسرے کا تعاون حاصل کر سکتے ہیں۔ کام کاج اور نگرانی بھی باری باری کر سکتے ہیں۔ نیز نماز باجماعت کا ثواب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

ہمسفر کے متعلق حضور ﷺ کی خصوصی ہدایت:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے باپ عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے (کچھ عرصہ) بعد مجھے بلایا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے پاس مال دے کر بھیجنے کا ارادہ ظاہر فرمایا تا کہ وہ اہل مکہ میں تقسیم کر دے۔ آپ نے فرمایا اپنے سفر کے لئے کوئی ساتھی تلاش کر لو۔ چنانچہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ سفر پر جانا چاہتے ہیں اور کسی رفیق سفر کے متلاشی ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ تو وہ فرمانے لگے میں آپ کا رفیق سفر ہوں۔ پھر میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ حضرت مجھے سفر کا ساتھی مل گیا ہے۔ آپ نے مجھے کہہ رکھا تھا کہ جب تمہیں کوئی رفیق سفر مل جائے تو مجھے اطلاع دے دینا۔ حضور ﷺ نے پوچھا تمہارا رفیق سفر کون ہے؟ تو میں نے عرض کیا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا: جب تو اس کی قوم کے علاقے میں پہنچے تو اپنے ساتھی سے ڈر کر رہنا۔ کیونکہ مشہور مقولہ ہے "بِکْرِی آپ کا بھائی ہے اس سے بے خوف نہ ہو"۔ پھر ہم سفر پر روانہ ہوئے یہاں تک کہ میں "ابواء" مقام پر پہنچا تو اس نے مجھے مقام "ودان" میں آ کر کہا کہ مجھے اپنی قوم سے ضروری کام ہے۔ لہٰذا آپ یہاں ٹھہر کر میرا انتظار کریں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب وہ چلا گیا تو مجھے حضور ﷺ کی نصیحت یاد آ گئی تو میں اونٹ پر سوار ہوا اور اس کو تیز چلاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ جب میں "اصافر" مقام پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ مل کر میرا راستہ

روکنے کی غرض سے آ رہا ہے میں اونٹ پر سوار ہوا اور اس کو تیز چلاتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں اس کی دسترس سے باہر ہو گیا ہوں تو پھر وہ واپس چلے گئے اور وہ خود میرے پاس آیا اور کہنے لگا مجھے اپنی قوم سے کوئی کام تھا۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر ہم چلتے رہے یہاں تک کہ ہم مکہ پہنچ گئے اور وہ مال میں نے ابوسفیان کے حوالے کر دیا۔ (الفتح الربانی: ج۵'ص ۶۵)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سفر میں اپنے ساتھی سے ہوشیار رہنا چاہئے' خصوصاً جب روپیہ پیسہ اور مال وغیرہ ساتھ ہو۔

سفر میں رفقاء کی تعداد:

سفر میں ساتھی اگرچہ ایک ہی کافی ہے تاہم چار ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ سے روایت کرتے ہیں:

((خَيْرُ الصَّحَابَةِ أَرْبَعَةٌ)) (ترمذی: ج۱'ص ۱۸۸، ابوداؤد: ج۱'ص ۳۵۸)

''بہترین ساتھی وہ ہیں جو چار ہوں''۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے:

((اَلرَّاكِبُ شَيْطَانٌ وَّالرَّاكِبَانِ شَيْطَانَانِ وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ)) (ابوداؤد: ج۱' ص ۳۵۸، ترمذی: ج۱'ص ۲۰۱، الفتح الربانی: ج۵'ص ۶۴، جامع الاصول: ج۶'ص ۱۳)

''ایک سوار ایک شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار قافلہ ہیں (کیونکہ اب وہ ان برائیوں سے محفوظ رہیں گے جن کا تنہا سفر کرنے میں احتمال ہو سکتا ہے)''۔

((اَلشَّيْطَانُ يَهُمُّ بِالْوَاحِدِ وَبِالْاِثْنَيْنِ فَإِذَا كَانُوْا ثَلَاثَةً لَمْ يَهُمَّ بِهِمْ))
(جامع الاصول: ج۶'ص ۱۳)

''مسافر اگر ایک یا دو ہوں تو شیطان ان پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اگر مسافر تین ہوں تو پھر شیطان ان پر حملہ نہیں کر سکتا''۔

تین آدمی قافلہ کہلانے کے مستحق ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کیونکہ اس

وقت ایک جماعت کی شکل ہو جاتی ہے اور جو فوائد فوت ہو رہے تھے ان کا اندیشہ کم ہو جاتا ہے اور شیطان کا غلبہ کم ہو جاتا ہے۔ اور اس طرح آفات ونقصانات سے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔

سفر میں امیر مقرر کرنا:

جب کئی ایک ساتھی مل کر سفر کریں تو ان کو چاہئے کہ کسی ایک کو اپنا امیر بنا لیں۔ آنحضرت ﷺ کی یہی ہدایت ہے۔ چنانچہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِیْ سَفَرٍ فَلْیُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ)) (ابوداؤد: ج ۱ ص ۳۵۸)

''جب تین آدمی سفر کو نکلیں تو انہیں چاہئے کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لیں۔''

اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جو امیر ہو گا وہ الگ الگ ہر کام ہر آدمی کے سپرد کر دے گا اور ہر آدمی اپنے کام کو فرض سمجھ کر وقت پر ادا کرے گا۔ ورنہ سفر میں بغیر تنظیم کے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کوئی بھی آدمی ذمہ داری سمجھ کر کوئی کام نہیں کرتا۔ نیز امیر بنانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جب آپس میں کوئی اختلاف رائے ہو جائے تو امیر کے فیصلہ سے وہ اختلاف ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ امیر کے فیصلہ کو تسلیم کرنا ہر ایک کے لئے ضروری ہوتا ہے اگرچہ طبیعت اس کو نہ مانتی ہو۔

جمعرات کے روز سفر کرنا مستحب ہے:

سفر پر جانے کے لئے اگرچہ تمام ایام یکساں ہیں' جس دن میں بھی سفر کرنا چاہے کر سکتا ہے' جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے' تاہم جمعرات کو سفر کرنا باقی دنوں کے مقابلہ میں مستحب ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ عموماً جمعرات کو ہی سفر کرنا پسند فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ تبوک کے سفر کے سلسلہ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ فِیْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَكَانَ یُحِبُّ اَنْ یَّخْرُجَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ۔" (صحیح بخاری: ج ۱ ص ۴۱۴)

''آپ غزوہ تبوک کو جمعرات کے روز تشریف لے گئے تھے اور اسی روز آپ سفر کرنا پسند کیا کرتے تھے۔''

ایک دوسری روایت میں یہی حضرت کعب بن مالک ؓ فرماتے ہیں:

"لَقَلَّمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَخْرُجُ اِذَا خَرَجَ فِیْ سَفَرٍ اِلَّا یَوْمَ الْخَمِیْسِ۔" (صحیح بخاری: ج ۱ ص ۴۱۴)

"جب کبھی آپ ﷺ سفر پر نکلتے تو جمعرات کو سفر شروع کرتے۔ دوسرے دنوں میں آپ ﷺ کا سفر کرنا بہت کم آیا ہے۔"

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسی حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

"بَابُ اسْتِحْبَابِ الْخُرُوْجِ یَوْمَ الْخَمِیْسِ" (ریاض الصالحین)

مولانا خلیل احمد میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

"وَهٰذَا یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ اَکْثَرَ خَرَجَاتِهٖ ﷺ لِلسَّفَرِ کَانَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ۔"

(بذل المجهود: ج ۴ ص ۲۳۳)

"یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کے اکثر سفر جمعرات ہی کو شروع ہوتے تھے۔"

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَکَانَ یَسْتَحِبُّ الْخُرُوْجَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ۔" (زاد المعاد: ج ۱ ص ۱۳۲)

"حضور ﷺ جمعرات کے روز سفر کرنا پسند کیا کرتے تھے۔"

سنن سعید بن منصور میں واصل سے بھی ایک روایت ان الفاظ میں ہے:

"بَلَغَنِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اِذَا سَافَرَ اَحَبَّ اَنْ یَّخْرُجَ یَوْمَ الْخَمِیْسِ۔"

(فتح الباری: ج ۶ ص ۴۵۴)

"مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کوئی سفر کرتے تو جمعرات کے روز سفر کرنے کو پسند فرماتے۔"

اس کی حکمت!

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سبھی دن تو خدا نے ہی بنائے ہیں اور وہ سب عند اللہ یکساں قسم کے ہیں تو پھر جمعرات میں استحباب کی وجہ کیا ہے؟ علماء نے اس کے کئی ایک

جواب تحریر کئے ہیں۔ چنانچہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ جواب لکھا ہے کہ: شاید اس کی وجہ وہ ہو جو حدیث میں وارد ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

"بُوْرِکَتْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ الْخَمِیْسِ" (فتح الباری: ج ٦' ص ۴۵۴)

"جمعرات کے روز دن کے ابتدائی حصہ میں میری امت کو برکت دی گئی ہے۔"

علامہ تورپشتی نے اس کی حکمت میں مندرجہ ذیل وجوہ ذکر کی ہیں:

(۱) جمعرات ایک ایسا مبارک دن ہے جس میں بندوں کے اعمال اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں۔ آپ کے تمام اسفار بھی چونکہ اللہ ہی کی رضا کے لئے ہوتے تھے۔ بدیں وجہ آپ اس بات کو بہت پسند رکھتے تھے کہ اسی روز جہاد وغیرہ کے لئے جو افضل ترین عمل ہے سفر اختیار کیا جائے تاکہ اسی روز یہ بہترین عمل اللہ کے حضور پیش ہو جائے۔

(۲) عدد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جمعرات تمام ہفتہ کے ایام میں سے اتم و اکمل دن ہے۔ بدیں وجہ آپ کے اکثر اسفار اسی دن میں ہوتے۔

(۳) عربی زبان میں لفظ خمیس جمعرات کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور لشکر کو بھی خمیس کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی پانچ حصوں پر تقسیم ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ اس دن میں ایک اچھی شگون سمجھ کر اس میں سفر کرتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ دشمن کی جس فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے ہم جا رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ ہماری فوج کو فتح و کامرانی عطا فرمائے اور دشمن ذلیل و رسوا ہو کر شکست کھا جائے۔

جمعہ کے روز سفر:

جمعہ کے روز اگر جمعہ کی نماز کا وقت نہ ہو سفر کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو کہہ رہا تھا اگر آج جمعہ نہ ہوتا تو میں نکل جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ نکل جاؤ اس لئے کہ جمعہ سفر سے نہیں روکتا۔ (نیل الاوطار: ج ۳' ص ۲۲۸)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے روز سفر کیا اور نماز کا انتظار نہیں کیا۔ (نیل الاوطار)

امام زہری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے روز دوپہر کے وقت سفر کرنا چاہا تو لوگوں نے اعتراض کیا۔ انہوں نے فرمایا نبی ﷺ نے جمعہ کے روز سفر کیا ہے۔ (نیل الاوطار)

سفر سے پہلے استخارہ کرنا

عہد جاہلیت میں عرب جب سفر یا کسی کام کا قصد کرتے تو وہ تیروں (جن پر "کر" یا "نہ کر" تحریر ہوتا تھا) سے قسمت آزمائی کرتے' پرندے اڑاتے' فال اور شگون پکڑتے۔

اسی طرح کی دوسری رسومات وعادات جو مشرکین کا شعار اور کافروں کا روایتی امتیاز تھیں۔ ان کافرانہ رسومات اور مشرکانہ امور کی بجائے آنحضور ﷺ نے توکل وتوحید' عبودیت وبندگی اور اللہ تعالیٰ سے رشد وفلاح کا دست سوال دراز کرنے کی رہنمائی کی' جس کے دست قدرت میں ہر قسم کی فلاح ہے۔

نیز بندوں کا علم ناقص ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ ایک کام کرنا چاہتا ہے اور اس کا انجام اس کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لئے صلوٰۃ الاستخارہ تعلیم فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ جب کوئی خاص اور اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور توفیق خیر کی دعا کر لیا کرو۔ سفر کے وقت انسان کو چونکہ علم نہیں ہوتا کہ یہ سفر میرے لئے مفید ہے یا نہیں' اس لئے بذریعہ استخارہ اللہ تعالیٰ سے سفر کی خیریت طلب کر کے چلنا چاہئے۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ اسْتِخَارَتُهُ اللّٰهَ وَمِنْ سَعَادَةِ ابْنِ آدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَاهُ وَمِنْ شَقْوَةِ ابْنِ آدَمَ تَرْكُهُ اسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ شَقْوَةِ ابْنِ آدَمَ سَخَطُهُ' بِمَا قَضَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ)) (الفتح الربانی: ج۵' ص۱۵)

"انسان کی سعادت مندی اور خوش نصیبی حق تعالیٰ سے استخارہ کرنے اور اس کے قضاء وقدر پر رضا مندی میں ہے۔ شقاوت وبد نصیبی استخارہ نہ کرنے میں ہے اور قضا وقدر پر اظہار ناپسندیدگی ہے"۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی

تعلیم فرماتے تھے۔ آپ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس کے انجام کے بارے میں فکر مند ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہیے۔ پہلے دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد اللہ کے حضور میں اس طرح دعائے استخارہ کرے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّىْ فِىْ دِيْنِىْ وَمَعَاشِىْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِىْ (اَوْ قَالَ فِىْ عَاجِلِ اَمْرِىْ وَاٰجِلِهٖ) فَاقْدُرْهُ لِىْ وَيَسِّرْهُ لِىْ ثُمَّ بَارِكْ لِىْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّىْ فِىْ دِيْنِىْ وَمَعَاشِىْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِىْ (اَوْ قَالَ فِىْ عَاجِلِ اَمْرِىْ وَاٰجِلِهٖ) فَاصْرِفْهُ عَنِّىْ وَاصْرِفْنِىْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِىَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِىْ بِهٖ قَالَ وَيُسَمِّىْ حَاجَتَهٗ))

(بخاری: ج ۲ ص ۹۴۴)

"اے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی راہنمائی چاہتا ہوں اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں' کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں۔ اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے۔ پس اے میرے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہو' میرے دین' میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لئے مقدر کر دے اور آسان بھی فرما دے اور پھر اس میں میرے لئے برکت بھی دے۔ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے اور اس کا نتیجہ برا نکلنے والا ہے میرے دین' میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لئے خیر اور بھلائی کو مقدر فرما دے وہ جہاں اور جس کام میں ہو۔ پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کر دے۔"

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کام کے بارے میں استخارے کی ضرورت ہو تو استخارہ کرنے کی دعا کرتے ہوئے صراحتاً اس کا نام لے۔

جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے۔

استخارہ کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس واعتراف کرتے ہوئے اپنے علیم کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالہ کردیتا ہے کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کردے۔ اس طرح گویا وہ اپنے مقصود کو اللہ کی مرضی میں فنا کردیتا ہے۔ اور جب اس کی یہ دعا دل سے ہو جیسے کہ ہونی چاہئے' تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔

حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندے کو کس طرح حاصل ہوگی' لیکن اللہ کے بندوں کا تجربہ ہے کہ یہ راہنمائی بسا اوقات خواب وغیرہ میں کسی غیبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔ اور اگر استخارہ کے بعد تذبذب کی کیفیت باقی رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے اور جب تک کسی ایک طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے۔

جب سفر کا عزم پختہ ہو جائے:

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "کتاب الاذکار" میں لکھا ہے کہ جب مشورہ واستخارہ کے بعد سفر کرنے کا ارادہ پختہ ہو جائے تو اولاً چند امور پر عمل کرے:

(۱) وصیت: اگر کوئی ایسی شے موجود ہو جس کے لئے وصیت کرنے کی ضرورت ہو تو اس کے لئے وصیت کرے اور اس پر گواہ بنالے۔

(۲) معاملات کا تصفیہ: اگر اس کا کسی سے معاملہ ہے تو اس سے معاف کرالے۔

(۳) حسن سلوک: اپنے والدین اساتذہ اور جن لوگوں سے حسن سلوک وغیرہ اس کے ذمہ ہے انہیں راضی کرلے۔

(۴) گناہوں کی معافی: اللہ تعالیٰ سے توبہ کرے اور تمام گناہوں اور معصیتوں

سے استغفار کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس سفر میں امداد کا طالب ہو۔

(۵) ضروری معلومات: ان باتوں کا علم حاصل کرے جن کا وہ سفر میں محتاج ہے۔

(۶) علیک سلیک: اپنے مقامی دوستوں، عزیزوں اور اقرباء سے علیک سلیک کے بعد رخصت ہونا چاہئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ((إِذَا أَرَادَ أَحَدُكُمْ سَفَراً فَلْيُسَلِّمْ عَلَى إِخْوَانِهِ فَإِنَّهُمْ يَزِيْدُوْنَ بِدُعَائِهِمِ إِلَى دُعَائِهِ خَيْراً))

(المطالب العالیہ: ج ۳ ص ۲۳۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَرَادَ سَفَرًا فَلْيُوَدِّعْ إِخْوَانَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى جَاعِلٌ فِيْ دُعَائِهِمْ خَيْرًا)) (بلوغ الامانی من اسرار الفتح الربانی: ج ۵ ص ۶۱)

"جو شخص سفر کا قصد کرے اسے اپنے بھائیوں، دوستوں وغیرہ کو الوداع کہنا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کی وجہ سے خیر و برکت عطا کرتا ہے۔"

مسافر کو نصیحت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! سفر کا ارادہ رکھتا ہوں آپ مجھے کوئی توشہ عطا فرمائیں؟ تو آپ نے فرمایا:

((زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَيَسَّرَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا كُنْتَ))

(مشکوۃ: ج ۱ ص ۲۱۴)

"خداوند عالم تجھ کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور تیرے گناہ بخش دے اور تو جہاں جائے وہاں تیری نیکی تیرے ساتھ ہو۔"

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ إِنَّ رَجُلاً قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنِّيْ أُرِيْدُ أَنْ أُسَافِرَ فَأَوْصِنِيْ قَالَ عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالتَّكْبِيْرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ))

(الفتح الربانی: ج ۱ ص ۵۹)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہو کر عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ! میرا سفر پر جانے کا ارادہ ہے' میرے مناسب حال کچھ نصیحت فرمائیں؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کا خوف اور ہر اونچی جگہ پر چڑھتے وقت اللہ اکبر کہنے کو اپنے اوپر لازم کر لو۔"

دوستوں کی طرف سے الوداعی کلمات:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی آدمی کو الوداع کہتے تو اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتے پھر اسے نہ چھوڑتے یہاں تک کہ وہی اپنے ہاتھ کو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے ہٹا لیتا۔ پھر آپ یہ کلمات پڑھتے:

((اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَاٰخِرَ عَمَلِكَ))

(کتاب الاذکار للنووی: ص ۱۹۶)

"میں تیرا دین واسلام اور تیرا انجام خدا کو سونپتا ہوں۔"

مسافر کی طرف سے الوداعی کلمات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص سفر کا ارادہ کرے اسے پیچھے والوں کے لئے یہ دعا کرنی چاہئے:

((اَسْتَوْدِعُكُمُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا تَضِيْعُ وَدَائِعُهٗ)) (بلوغ الامانی: ج ۵' ص ۶۱)

"میں تمہیں اس کے سپرد کرتا ہوں جس کی امانتیں ضائع نہیں ہوتیں"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اِذَا اسْتُوْدِعَ شَيْئًا حَفِظَهٗ))

(کتاب الاذکار للنووی: ص ۱۹۶، مسند احمد بتویب مسند: ج ۵' ص ۶۵۰)

"جب کوئی شے اللہ کے سپرد کی جاتی ہے تو وہ اس شے کی حفاظت فرماتا ہے۔"

جو شخص بوقت رخصت مذکورہ دعا پڑھے گا انشاء اللہ اس کی تمام چیزیں محفوظ رہیں گی۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ تقسیم کرتے مع اپنے بیٹے کے

حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تیرا بیٹا تیرے بہت مشابہ ہے۔ اس نے عرض کی کہ اس کا قصہ نہایت عجیب وغریب ہے۔ یہ جب بطن میں تھا تو میں سفر کو گیا اور یہ دعا دے گیا کہ جو کچھ تیرے پیٹ میں ہے اس کو خدا کے سپرد کیا۔ چنانچہ جب واپس ہوا تو ایک رات کو باتیں کر رہا تھا کہ اچانک دور سے آگ کا ایک شعلہ بھڑکتا ہوا نظر آیا' میں نے وہاں جا کر دیکھا تو وہ میری اہلیہ کی قبر ہے' جس پر شمع روشن ہے اور یہ بچہ وہاں کھیل رہا تھا۔ میرے کان میں آواز آئی کہ اس کو تو ہمارے سپرد کیا گیا تھا' لہٰذا اپنی امانت لے جاؤ اور اگر اس کی ماں کو بھی سپرد کر جاتا تو وہ بھی بحفاظت تم تک پہنچادی جاتی۔ (احیاء علوم الدین الغزالی)

مسافر کے لئے دعا کرنا:

جب مسافر رخصت ہو کر چلا جائے تو اس کے حق میں یہ دعا کرنی چاہئے:

((اَللّٰهُمَّ اطْوِلَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ)) (مشکوٰۃ: ج ۱' ص ۳۱۵)

''اے اللہ! اس کے سفر کی دوری کو لپیٹ دے اور اس پر سفر آسان کر دے۔''

سفر شروع کرنے سے پہلے دو رکعت نماز:

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سفر کے ارادہ سے جب آدمی گھر سے نکلے تو دو رکعت نماز پڑھ کر نکلنا مستحب ہے۔ کیونکہ مطعم بن مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص سفر کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے گھر والوں کے پاس اس سے بہتر کوئی شے چھوڑ کر نہیں جاتا کہ ان کے پاس دو رکعت نماز پڑھے۔

(کتاب الاذکار للنووی: ص ۱۹۴' الوابل الصیب: ص ۲۲۵)

سفر پر روانگی کے وقت کی دعا:

امیر لشکر یا کوئی بھی مسافر سفر پر روانہ ہوتے وقت یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ بِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَسِيْرُ)) (بلوغ الامانی: ج ۵' ص ۷۵)

''اللہ میں تیری ہی مدد سے حملہ کروں گا اور تیری ہی مدد سے تدبیر کروں گا اور تیری ہی مدد سے سفر کروں گا۔''

سفر کے لئے اٹھنے کی دعا:

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب سفر کے لئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰهُمَّ بِكَ انْتَشَرْتُ وَاِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَبِكَ اعْتَصَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِيْ وَاَنْتَ رَجَائِيْ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ مَا اَهَمَّنِيْ وَمَا لَا اَهْتَمُّ لَهٗ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اَللّٰهُمَّ زَوِّدْنِيْ التَّقْوٰى وَاغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَوَجِّهْنِيْ لِلْخَيْرِ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتُ)) (زادالمعاد: ج۲ص ۳۲)

''اے اللہ! میں تیری مدد سے اٹھتا ہوں اور تیری ہی طرف توجہ کرتا ہوں اور تجھ ہی سے قوت حاصل کرتا ہوں اور تجھ ہی پر توکل کرتا ہوں۔ اے اللہ! تو ہی میرا اعتماد ہے اور تو ہی میری امید ہے۔ اے اللہ! تو کفیل ہو جا اس کام کے لئے جس کی میں کوشش کرتا ہوں اور اس کے لئے جس کا میں اہتمام نہیں کرتا اور اس کے لئے بھی جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تیری پناہ میں آنے والا قوی ہو جاتا ہے اور تیری تعریف بڑی ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ! مجھے توشہ تقویٰ عنایت فرما اور جس طرح متوجہ ہوں میرا رخ خیر اور بھلائی کی طرف پھیر دے۔''

سفر پر روانہ ہوتے وقت کی دعائیں

دیس سے پردیس جانے والے کے لئے بہت سے خطرات اور طرح طرح کے امکانات ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بتایا کہ سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے کیا کیا مانگنا چاہئے نیز یہ کہ ہر سفر کے موقع پر یقینی پیش آنے والے آخرت کے سب سے اہم سفر کو بھی یاد رکھنا چاہئے اور اس کی تیاری سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

گھر سے نکلنے کی دعا:

مسافر جب گھر سے نکلے تو یہ دعا پڑھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنے گھر سے نکلے خواہ سفر کرنے کے ارادے سے یا دیگر کسی ضرورت کے لئے تو اگر وہ روانگی کے وقت مندرجہ ذیل دعا

پڑھے تو اس کو گھر سے نکلنے کی خیر ضرور حاصل ہوگی اور اس کے شر سے محفوظ رہے گا:

(۱) ((اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ اعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ)) (بلوغ الامانی: ج۵ ص۷۴)

''میں اللہ پر ایمان لایا، اللہ پر میرا توکل ہے۔ گناہ سے پھرنے اور نیکی کرنے کی قوت نہیں ہے مگر اللہ کے ساتھ۔''

(۲) ((بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَظْلَمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ))

(مشکوٰۃ: ج۱ ص۲۱۵)

''میں اللہ کے نام پر سفر شروع کرتا ہوں اور اللہ پر توکل کرتا ہوں اور کسی کام کی قوت نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ اے میرے رب! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں دوسروں کو گمراہ کروں یا خود گمراہ ہو جاؤں اور اس سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے اور اس سے کہ میں کسی سے بدخلقی کروں یا کوئی مجھ سے بدخلقی کرے۔''

(۳) ((اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الضُّبْنَةِ فِي السَّفَرِ وَالْكَآبَةِ فِي الْمُنْقَلَبِ اَللّٰهُمَّ اطْوِلَنَا الْأَرْضَ وَهَوِّنْ عَلَيْنَا السَّفَرَ)) (بلوغ الامانی: ج۵ ص۷۵)

''اے اللہ! تو ہی سفر میں رفیق اور گھر والوں میں نائب ہے۔ اے اللہ! تیری پناہ چاہتا ہوں بال بچوں کی تکلیف اور بری واپسی سے۔ اے اللہ! ہمارے لئے زمین لپیٹ اور ہم پر یہ سفر آسان کر دے۔''

سواری پر بیٹھنے سے پہلے ذکر الٰہی کی تاکید:

محمد بن حمزہ اسلمی اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: ہر اونٹ کی کوہان پر شیطان ہوتا ہے سوار ہوتے وقت اللہ کا نام لے لیا کرو۔

((وَلَا تُقَصِّرُوْا عَنْ حَاجَاتِكُمْ)) (بلوغ الامانی: ج۵ ص۶۹)

''اپنے کام میں کوتاہی نہ کرو۔''

حضرت ابو لاس خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک کمزور سا اونٹ ہمیں عطا فرمایا کہ ہم سوار ہو کر حج کو جائیں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو نہایت ضعیف ونزار ہے' ہمارا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ آپ نے فرمایا: ہر اونٹ کی کوہان پر شیطان ہوتا ہے۔ تم اس پر سوار ہو جاؤ جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں' اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لئے خادم بنا لو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے۔ (بلوغ الامانی: ج۵ ص۷۰)

سواری پر بیٹھنے کی دعا:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب سفر پر جاتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تو آپ تین دفعہ "اللہ اکبر" کہتے' اس کے بعد یہ دعا پڑھتے:

((سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ○ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ○ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ' اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَاٰبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ))

(بلوغ الامانی: ج۵ ص۶۹، مشکوٰۃ: ج۱ ص۲۱۳' شرح السنۃ: ج۵ ص۱۴۰)

''پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہماری سواری کے لئے اپنی اس مخلوق کو مسخر اور ہمارے قابو میں کر دیا۔ اور خود ہم میں طاقت نہ تھی کہ اپنی ذاتی تدبیر وطاقت سے اس طرح قابو پا لیتے بلکہ اللہ ہی نے اپنے فضل وکرم سے ایسا کر دیا ہے اور ہم بالآخر اپنے اس مالک کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے اللہ! ہم استدعا کرتے ہیں تجھ سے نیکو کاری اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی جو تیری رضا کا باعث

ہوں۔ اے اللہ! اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی طوالت کو اپنی قدرت ورحمت سے مختصر کر دے۔ اے اللہ! بس تو ہی ہمارا رفیق اور ساتھی ہے اس سفر میں اور سب سے بڑا سہارا تیری ہی رفاقت کا ہے اور ہمارے پیچھے تو ہی ہمارے اہل وعیال اور مال و جائیداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنے والا ہے' اس سلسلہ میں بھی ہمارا اعتماد اور بھروسہ تجھ پر ہی ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں سفر کی مشقت اور زحمت سے اور اس بات سے کہ اس سفر میں کوئی رنجیدہ بات دیکھوں اور اس سے کہ سفر سے لوٹ کر اہل وعیال یا مال و جائیداد میں بری بات پاؤں۔"

اس دعا کا ایک ایک جز اپنے اندر معنویت رکھتا ہے۔ پہلی بات اس حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اکرم ﷺ اونٹ پر سوار ہونے کے بعد سب سے پہلے تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ اس زمانہ میں خاص کر اونٹ جیسی سواری پر سوار ہونے کے بعد خود سوار کو اپنی بلندی و برتری کا جو احساس یا وسوسہ پیدا ہو سکتا تھا' اس طرح دیکھنے والوں کے دلوں میں اس کی عظمت و بڑائی کا جو خیال آ سکتا تھا رسول اللہ ﷺ تین دفعہ اللہ اکبر کہہ کر اس پر تین ضربیں لگاتے تھے اور خود اپنے کو اور دوسروں کو جتاتے تھے کہ عظمت و کبریائی بس اللہ کے لئے ہے۔

اس کے بعد کہتے تھے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ﴾

پاک اور مقدس ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے سواری کو مسخر کیا ورنہ ہم میں طاقت نہ تھی کہ (ایسا کر سکتے)۔ اس میں اس بات کا اعتراف و اظہار ہے کہ اس سواری کو ہمارے لئے مسخر کر دینا اور ہم کو اس طرح اس کے استعمال کی قدرت دینا بھی اللہ ہی کا کام ہے۔ ہمارا کوئی کمال نہیں ہے۔

﴿وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾

یعنی جس طرح آج ہم یہ سفر کر رہے ہیں اس طرح ایک دن اس دنیا سے سفر کر کے ہم اپنے خدا کی طرف جائیں گے' جو اصلی مقصود و مطلوب ہے' وہی سفر حقیقی سفر ہوگا

اور اس کی فکر اور تیاری سے بندے کو کبھی غافل نہیں رہنا چاہئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ یہ دعا کرتے:

اے اللہ! اس سفر میں مجھے نیکی اور پرہیزگاری کی اور ان اعمال کی توفیق عطا فرما جن سے تو راضی ہو۔ بلاشبہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے بندوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ یہی ہے: اس پر ان کی اولین دعا یہی ہونی چاہئے۔ اس کے بعد آپ سفر میں سہولت اور سفر جلدی پورا ہو جانے کی دعا کرتے۔ اس کے بعد آپ اللہ کے حضور میں عرض کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ))

''اے اللہ! تو ہی سفر میں میرا حقیقی رفیق و ساتھی ہے اور تیری ہی رفاقت و مدد پر میرا اعتماد ہے اور گھر بار اور اہل و عیال جن کو چھوڑ کر جا رہا ہوں ان کا نگہبان اور نگران تو ہی ہے اور تیری نگہبانی پر بھروسہ ہے۔''

ان مثبت دعاؤں کے بعد آپ سفر کی مشقت سے یا دوران سفر میں یا واپسی میں کسی تکلیف دہ حادثہ کے سامنے آنے سے پناہ مانگتے' جس کا حاصل یہی ہے کہ سفر میں تیری رحمت' عافیت و سہولت نصیب رہے اور واپس آ کر بھی خیر و عافیت دیکھوں۔

ایک حدیث میں اس طرح بھی آیا ہے کہ جب آدمی سوار ہو تو (شہادت) کی انگلی کو آسمان کی طرف اٹھائے اور یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِی الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا بِنُصْحِكَ وَاقْلِبْنَا بِذِمَّةٍ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ)) (حصن حصین: ص ۱۲۵)

''اے اللہ! تو ہی سفر میں ہمارا رفیق ہے اور تو ہی گھر بار میں ہمارا قائم مقام ہے۔ اے اللہ! تو اپنی بھلائی کو اس سفر میں ہمارے ساتھ رکھ اور اپنی حفاظت میں ہمیں واپس لا۔ اے اللہ! تو ہمارے لئے زمین کو طے کر دے اور سفر کو ہم پر آسان کر دے۔ اے اللہ! میں سفر کی سختیوں سے اور تکلیف دہ ناکام واپسی سے پناہ مانگتا ہوں۔''

مسافر کے لئے ایک مجرب نسخہ:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے جبیرؓ! کیا تم چاہتے ہو کہ جب تم سفر میں جاؤ تو اپنے ساتھیوں سے ہیئت و صورت میں بہتر اور توشۂ سفر (خورد و نوش) میں بڑھ کر رہو یعنی سفر میں خوش حالی و فارغ البالی نصیب ہو؟ حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو یہ پانچ سورتیں پڑھ لیا کرو۔

(۱) ﴿قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ﴾

(۲) ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ﴾

(۳) ﴿قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ﴾

(۴) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾

(۵) ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾

ہر سورت ﴿بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾ سے شروع کریں اور اسی پر ختم کریں۔

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں کافی مالدار اور دولت مند تھا مگر جب میں سفر میں جاتا تو زیادہ بدحال اور توشۂ سفر میں کمتر، تنگدست ہو جایا کرتا تھا یعنی سفر مجھے راس نہ آتا تھا۔ جب سے مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ سورتیں پڑھنے کے لئے بتائیں اور میں نے ان کو پڑھنا شروع کیا تو میں پورے سفر میں اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ خوشحال اور توشۂ سفر میں فارغ البال رہنے لگا۔ (حصن حصین: ص ۱۲۹)

دوران سفر پڑھنے کی دعائیں

اثنائے سفر حسب ذیل تعوذ پڑھتے رہنا چاہئے:

(۱) ((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَآبَۃِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْکَوْرِ وَدَعْوَۃِ الْمَظْلُوْمِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ))

(مشکوٰۃ: ج ۱ ص ۲۱۳، شرح السنۃ: ج ۵ ص ۱۳۶، بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۶)

''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں سفر کی سختیوں سے اور سفر سے واپسی کی ناکامی کی اذیت سے اور ترقی کے بعد تنزل سے اور مظلوم کی بددعا سے اور واپسی پر اہل وعیال میں کسی تکلیف دہ منظر سے۔''

(۲) ((اَللّٰهُمَّ بَلَاغاً يُّبَلِّغُ خَيْراً وَّمَغْفِرَةً مِّنْكَ وَرِضْوَاناً بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ، اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا السَّفَرَ وَاطْوِلَنَا الْاَرْضَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ)) (حصن حصین: ص۱۲۶)

''اے اللہ! میں تجھ سے ایسی کامیابی چاہتا ہوں جو خیر وخوبی کو پہنچا دے یعنی اس کام کا انجام خیر ہو اور تیری خاص مغفرت چاہتا ہوں۔ تیرے ہی ہاتھ میں تمام تر خیر وبرکت ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! تو ہی سفر میں ہمارا رفیق ہے اور تو ہی گھر بار میں ہمارا قائم مقام اور محافظ ہے۔ اے اللہ! تو اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور زمین کی مسافت کو ہمارے لئے طے کر دے۔ اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں سفر کی سختی سے اور سفر سے واپسی کی اذیت سے۔''

(۳) ((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنَا فِيْ سَفَرِنَا وَاخْلُفْنَا فِيْ اَهْلِنَا)) (حصن حصین: ص۱۲۶)

''اے اللہ! تو ہی سفر کا ساتھی ہے اور تو ہی اہل وعیال میں ہمارا قائم مقام ہے۔ اے اللہ! تو ہمارے سفر میں ہمارا رفیق بن جا اور ہمارے اہل وعیال میں ہمارا قائم مقام اور محافظ بن جا۔''

بلندی پر چڑھنے کی دعا:

(۱) دوران سفر جب مسافر کسی بلندی (پہاڑی وغیرہ) پر چڑھے تو اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے اور جب اس سے اترے تو سبحان اللہ کہے۔ اور جب کسی کھلے میدان میں پہنچے تو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کرتے تو بلندی پر چڑھتے وقت اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے اور نیچے

اترتے وقت سُبْحَانَ اللّٰہ کہتے۔ (بلوغ الامانی: ص۷۷' ج۵)

(۲) ایک حدیث میں اس طرح آیا ہے کہ جب کسی بلند مقام پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰھُمَّ لَکَ الشَّرَفُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ وَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی کُلِّ حَالٍ))

(بلوغ الامانی: ج۵ص۸۷' زادالمعاد: ج۲' ص۳۴)

''اے اللہ! تیرے ہی لئے شرف و برتری ہے ہر بلند سے بلند تر چیز پر اور تیرے ہی لئے حمد و ثناء ہے۔''

اگر سواری پھسل جائے:

اگر سواری کے جانور کو ٹھوکر لگے تو فوراً بِسْمِ اللّٰہ کہنا چاہئے۔ ابوتمیمہ ہجیمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا۔ گدھا چلتے چلتے پھسل گیا۔ میں نے کہا شیطان کا برا ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا ایسا نہ کہو۔ کیونکہ جب تو اس طرح کہتا ہے کہ شیطان کا برا ہو تو شیطان اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی طاقت و قوت سے اسے گرایا ہے۔ اور اگر تو ایسے موقع پر بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ لیا کرے تو شیطان مکھی سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ (بلوغ الامانی: ج۵' ص۶۷)

دوران سفر کسی مقام پر آرام کے لئے اترنے کی دعا:

مسافر جب کسی مقام میں آرام کے لئے قیام کرے تو یہ دعا پڑھے:

((اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ کُلِّھَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ))

(بلوغ الامانی: ج۵' ص۷۷' شرح السنۃ: ج۵' ص۱۴۵)

''میں اللہ تعالیٰ کے کلمات تامہ کی پناہ لیتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔''

حدیث میں وارد ہے کہ: جو شخص اثنائے سفر کسی منزل پر اترنے کے بعد مذکورہ دعا پڑھ لے تو جب تک وہ اس منزل سے روانہ نہ ہو جائے اس کو وہاں کی کوئی چیز ضرر نہ پہنچا سکے گی۔

آبادی کو دیکھ کر پڑھنے کی دعا:

جب دور سے اپنی آبادی کو دیکھے جس میں جانے کا ارادہ ہے تو یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرَیْنَ فَاِنَّا نَسْاَلُكَ خَیْرَ ھٰذِهِ الْقَرْیَةِ وَخَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا)). (حصن حصین: ص ۱۲۷)

''اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور اس تمام مخلوق کے پروردگار جس پر یہ سایہ فگن ہیں اور ساتوں زمینوں کے اور اس تمام مخلوق کے پروردگار جس کو یہ اٹھائے ہوئے ہیں اور تمام شیاطین کے اور اس تمام مخلوق کے رب جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے اور تمام ہواؤں کے اور ان چیزوں کے جن کو ہواؤں نے پراگندہ کر دیا ہے۔ پس ہم تجھ سے ہی اس بستی کی اور اس بستی والوں کی خیر و برکت کی دعا مانگتے ہیں اور تجھ سے ہی اس بستی کی اور اس بستی والوں کے اور جو کچھ بھی اس بستی میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔''

ایک روایت میں اس دعا کے ساتھ کلمات ذیل کا بھی اضافہ ہے:

((اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا فِیْھَا))

(حصن حصین: ص ۱۲۸)

''میں تجھ سے اس بستی کی اور جو اس میں ہے اس کی خیر و برکت کا سوال کرتا ہوں اور اس بستی کے اور جو اس میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔''

آبادی میں داخل ہونے کی دعا:

جب اس بستی میں داخل ہونے لگے تو تین مرتبہ کہے: "اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَنَا فِیْھَا" اے اللہ! ہمارے لئے اس بستی کو بابرکت کر دے۔ اس کے بعد یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا جَنَاھَا وَحَبِّبْنَا اِلٰی اَھْلِھَا وَحَبِّبْ صَالِحَ اَھْلِھَا اِلَیْنَا)) (قَالَ الْھَیْثَمِیُّ وَاِسْنَادُهٗ جَیِّدٌ) (بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۸۷، حصن حصین: ص ۱۲۸)

''اے اللہ! تو ہم کو اس بستی کے ثمرات اور اس کا منافع عطا فرما اور اس بستی والوں کو ہماری محبت دے اور اس کے نیکوکار باشندوں کی محبت ہم کو نصیب فرما۔''

کسی نئی بستی میں جانے کے لئے سب سے اہم یہی تین باتیں ہو سکتی ہیں۔ سبحان اللہ! کتنی مختصر، برمحل اور جامع دعا ہے۔

حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ جب مسافر اس بستی میں داخل ہو تو حسب گنجائش اچھا لباس زیب تن کرے۔ (مسند احمد)

اچھے لباس سے بستی والوں کے دل میں اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوگا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ اچھے لباس والے کو لوگ عموماً قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

شام کے وقت کی دعا:

اگر اثنائے سفر کسی جگہ شام ہو جائے اور رات کو وہاں ٹھہرنا پڑے تو زمین کو خطاب کر کے یہ دعا پڑھے:

((يَا أَرْضُ! رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ أَعُوْذُبِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ وَشَرِّ مَا فِيْكِ وَشَرِّ مَا خُلِقَ فِيْكِ، وَشَرِّ مَا دَبَّ عَلَيْكِ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كُلِّ أَسَدٍ وَّأَسْوَدَ وَحَيَّةٍ وَّعَقْرَبٍ وَّمِنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ وَمِنْ شَرِّ وَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ))

(بلوغ الامانی: ج ۵ ص ۷۶، ابوداؤد)

''اے سرزمین! میرا بھی اور تیرا بھی رب اللہ ہے' میں اس اللہ کی پناہ لیتا ہوں تیرے شر سے اور جو کچھ تیرے اندر پیدا کیا گیا ہے اس کے شر سے اور جو جانور تیرے اوپر چلتے ہیں ان کے شر سے۔ اور میں پناہ لیتا ہوں اللہ کی جنگل کے شیر سے اور کالے ناگ سے اور ہر سانپ بچھو سے اور شہر کے ہر باشندے کے شر سے اور ہر باپ اور بیٹے کے شر سے۔''

صبح کے وقت کی دعا:

مسافر صبح کے وقت تین مرتبہ بلند آواز سے یہ دعا پڑھے:

((سَمِعَ سَامِعٌ بِحَمْدِ اللّٰهِ وَنِعْمَتِهٖ وَحُسْنِ بَلَائِهٖ عَلَيْنَا رَبَّنَا صَاحِبْنَا وَأَفْضِلْ عَلَيْنَا عَائِذًا بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ)) (زاد المعاد: ج ۲ ص ۳۳)

''سن لیا ہر سننے والے نے (یعنی سب گواہ ہیں) اللہ کی حمد و ثنا کو اور اس کے فضل

وانعام کو اور ہم پر اس کے احسان کی خوبی کو۔ اے پروردگار! تو پورے سفر میں ہمارا رفیق رہنا اور ہم پر فضل وانعام فرمانا' دوزخ کی آگ سے اللہ کی پناہ لیتے ہوئے یہ کہہ رہا ہوں۔"

بحری سفر کی دعا:

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ بحری سفر میں میری امت کے لئے ڈوبنے سے بچاؤ کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ سوار ہوتے وقت مندرجہ ذیل آیات پڑھ لیا کریں:

﴿بِسْمِ اللهِ الْمَلِكِ وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعاً قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ. بِسْمِ اللهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

(ابن کثیر: ج ۳' ص ۵۵۳۔ مجمع الزوائد: ج ۱۰' ص ۱۳۲)

"اللہ کے نام سے جو حقیقی بادشاہ ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اس کی قدرت کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دست راست میں لپٹے ہوئے ہوں گے' وہ پاک اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی۔ میرا رب بڑا غفور ورحیم ہے۔"

سورۂ زخرف میں اللہ تعالیٰ نے خشکی کی ہر طرح کی سواری اور کشتی کا ذکر فرما کر سواری کے وقت ﴿سُبْحَانَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ﴾ کے پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

علمائے سلف میں سے بعض کا قول ہے کہ خشکی اور کشتی کی سواری کے وقت سورۂ زخرف کی یہ آیت پڑھنی چاہئے اور سورۂ زخرف کی آیات سے اس قول کی تائید بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ ان آیات میں دونوں قسم کی سواریوں کا ذکر ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ بحری سفر کا موقع آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں پیش نہیں آیا۔ اس لئے اس بارے میں آپ سے

کوئی عملی روایت مروی نہیں ہے۔

کشتی کی سواری کے وقت سورۂ ہود کی آیت اور خشکی کی سواری کے وقت سورۂ زخرف کی آیت پڑھی جائے۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ کشتی کی سواری کے وقت دونوں آیات پڑھ لی جائیں تا کہ سورۂ زخرف کی آیات اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت پر ایک ساتھ عمل ہو جائے۔ (احسن التفاسیر: ج ۳' ص ۱۰۰)

دورانِ سفر کثرتِ ذکر:

مسافر کو چاہیے کہ سفر میں تنہائی کے وقت اللہ کی طرف دھیان لگائے رکھے اور زیادہ سے زیادہ ذکر اللہ میں مصروف رہے۔ جو ذکر اللہ میں مصروف رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہم سفر مقرر فرما دیتے ہیں جو اسے نیکی کی تلقین کرتا رہتا ہے۔ اور جو مسافر دوران سفر شعر و شاعری، راگ گانے وغیرہ لغویات یا بیہودہ ناولوں، افسانوں اور فحش لٹریچر کے پڑھنے میں اپنے سفر کے اوقات کو مصروف رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ایک شیطان لگا دیتے ہیں جو انہیں گمراہ کرتا رہتا ہے۔ (طبرانی فی الاوسط)

حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نرمی کرتا ہے' نرمی کو پسند کرتا ہے' نرمی سے خوش ہوتا ہے اور نرمی پر مدد کرتا ہے جو سختی پر نہیں کرتا۔ جب تم ان بے زبان جانوروں پر چڑھو تو انہیں ان کی منزلوں پر اتارو۔ اگر زمین صاف ہو جہاں گھاس نہ ہو تو جلدی سے نکال کر لے جاؤ جب تک اس میں گودا رہے اور رات کو چلنا لازم کر لو کیونکہ رات کو چلنے میں مسافت زیادہ طے ہوتی ہے۔ جب رات میں ٹھہرو تو راستے میں نہ ٹھہرو کیونکہ وہاں دن کی نسبت زیادہ جانور آتے جاتے رہتے ہیں اور سانپ بھی آیا کرتے ہیں۔

(موطا امام مالک رحمہ اللہ علیہ: ص ۳۸۵)

سواری پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ لادا جائے:

اگر سواری کسی جانور پر ہے تو اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ رکھنا جائز نہیں۔

(احیاء علوم الدین)

سلف صالحین کا یہ طریقہ تھا کہ جب جانور کرایہ پر لیتے تو مالک سے یہ طے کر لیتے کہ ہم جانور پر راستہ میں اتریں گے نہیں لیکن بعد میں بنظر صدقہ اتر جاتے تھے۔ جس جانور کو بلاوجہ مارو گے یا پریشان کرو گے تو وہ قیامت کے دن دامنگیر ہوگا۔ (احیاء علوم الدین)

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اونٹ پر سوار ہوئے تو کسی نے ایک خط ان کو کہیں دینے کے لئے دیا۔ آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ فرمانے لگے کہ میرے معاہدے میں یہ خط شامل نہیں۔ آپ نے فقہاء کے کہنے کے مطابق اس کاغذ کے وزن کو بھی وزن سمجھا۔ سبحان اللہ! سلف میں تقویٰ، پرہیزگاری اور خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا۔ (احیاء علوم الدین)

اہل وعیال کے ساتھ سفر اور اس کے آداب

قرعہ اندازی:

اگر آدمی کی متعدد بیویاں ہوں اور سفر میں کسی کو ساتھ لے جانا چاہے تو اس کا انتخاب قرعہ ڈال کر کرے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ:

"إِذَا خَرَجَ أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ" (بلوغ الامانی: ج۵، ص۷۸)

"جب کسی سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کر لیا کرتے تھے پھر جس کے نام کا قرعہ نکلتا اسی کو ساتھ لے جاتے۔"

قرعہ تین جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے (یعنی حضرت محمد، حضرت یونس اور حضرت زکریا علیہم السلام) اور اس کے کئی ایک طریق ہیں: (۱) دونوں عورتوں کی انگوٹھیاں لے لی جائیں اور کوئی دوسرا شخص دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرے۔ جس عورت کی انگوٹھی منتخب ہو جائے وہی اپنے خاوند کے ساتھ سفر پر جائے گی۔ (۲) کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر ان پر امیدواروں کے نام لکھے جائیں۔ پھر ان کو خلط ملط کر کے کسی دوسرے شخص کو ان ٹکڑوں میں سے ایک اٹھانے کے لئے کہا جائے گا۔ جس کے نام کا پرچہ ہوگا وہی سفر کے لئے منتخب ہو جائے گی۔

سفر میں دعا کی قبولیت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تین دعاؤں کی قبولیت میں کوئی شک نہیں۔

(۱) مظلوم کی دعا

(۲) مسافر کی دعا

(۳) باپ کی بیٹے کے خلاف بددعا۔ (ترمذی: ج ۲، ص ۲۰۵، ابن ماجہ: ۲۸۳)

ابو داؤد کی روایت میں بددعا کے الفاظ نہیں ہیں۔ اس حدیث میں مسافر کو بھی ان لوگوں میں شمار کیا ہے جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مسافر گھر بار سے دور ہوتا ہے' آرام نہ ملنے کی وجہ سے مجبور اور پریشان ہوتا ہے' جب اپنی مجبوری اور حاجت مندی کی وجہ سے دعا کرتا ہے تو اس کی اخلاص بھری دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ چونکہ مسافر کو عام طور سے بے بسی اور بے کسی کی حالت درپیش ہوتی ہے اس لئے اس کی دعا صدق دل سے نکلتی ہے اور ضرور قبول ہو جاتی ہے۔

سفر میں گھنٹی اور کتے کو ساتھ رکھنے کی ممانعت:

مسافر کو چاہئے کہ کتا گھنٹی اور گھنگرو سفر میں ساتھ نہ رکھے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اس جماعت کے ساتھ نیکی کے فرشتے نہیں جاتے جس کے ساتھ کتا یا گھنٹی اور گھنگرو ہوں۔ (مشکوٰۃ: ص ۳۳۸' ج ۲، بلوغ الامانی: ج ۵' ص ۵۴)

سواری کے آداب

اگر سواری کسی جانور پر ہے تو مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

جانور کو بھوکا نہ رکھا جائے:

سواری اگر جانور پر ہے تو مسافر کو چاہئے کہ اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے اور پیٹ بھر کر کھلائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام نہ لے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

آنحضرت ﷺ انصار میں سے ایک آدمی کے باغ میں داخل ہوئے تو اس میں

اچانک ایک اونٹ پر نظر پڑی' جب اس اونٹ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آنحضرت ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے کوہان اور اس کے سر کے پچھلے حصہ پر ہاتھ پھیرا تو رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ تو انصار میں سے ایک نوجوان آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا ان جانوروں کے بارے میں، جن کا اللہ نے تجھ کو مالک بنایا ہے اللہ سے ڈرتا نہیں؟ اس لئے کہ یہ اونٹ مجھ سے شکایت کرتا ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور بار برداری زیادہ کرتا ہے۔ (ابوداؤد: ج ۱' ص ۳۵۲)

دوران سفر عورتوں کے آرام وآسائش کا خیال رکھا جائے:

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں ایک سفر میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ تھی کہ آپ ﷺ نے حدی خواں سے فرمایا جس کا نام انجشہ تھا:

((رُوَيْدَكَ سَوْقاً بِالْقَوَارِيْرِ)) (بخاری: ج ۲، ص ۹۰۸)

''ارے انجشہ! شیشوں کو آہستہ لے چل۔''

اس حدیث میں دوران سفر عورتوں کے ساتھ شفقت، مہربانی اور رافت ورحمت سکھائی گئی ہے۔ نیز ان کے آرام وراحت کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ کیونکہ عورتوں کا تعلق صنف نازک سے ہے اور بوجہ طبعی کمزوری ان میں تکلیف ومصیبت برداشت کرنے کی صلاحیت مردوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔

عورت کا تنہا سفر کرنا منع ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُسَافِرُ يَوْماً وَّلَيْلَةً اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ مِنْ اَهْلِهَا)) (بلوغ الامانی: ج ۵' ص ۸۷)

''جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ ذی محرم کے بغیر ایک دن اور ایک رات کا سفر کرے۔''

ارشاد نبوی ﷺ کی روشنی میں کسی عورت کو تنہا یا بغیر ذی محرم کے سفر کرنا جائز نہیں

ہے۔اب جو عورتیں اس ارشاد نبوی ﷺ کی خلاف ورزی کرتی ہیں وہ اکثر ان برے نتائج سے دوچار ہو جاتی ہیں جن کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا تھا۔

۱۹۵۳ء کا واقعہ تو سب ہی کو یاد ہوگا کہ سکھر سے ایک عورت تنہا ریل پر سفر کر کے گجرات آئی تھی تو وہاں لاریوں کے اڈہ پر بدمعاشوں اور بدقماش لوگوں نے اس کے ساتھ جو بدسلوکی کی۔ بدمعاشی اور بے حیائی کرنے کے بعد اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ سب کچھ ارشاد نبوی ﷺ کی خلاف ورزی کا نتیجہ تھا۔

اس قسم کے ہزاروں واقعات آئے دن اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں۔لوگ پڑھتے بھی ہیں مگر عبرت ونصیحت حاصل نہیں کرتے۔

عورت کا سفر حج:

عورت کے بلا محرم حج کرنے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔اس معاملہ میں چار مسلک پائے جاتے ہیں جنہیں ہم یہاں مختصراً بیان کردیتے ہیں۔

(۱) عورت کو کسی حال میں شوہر یا محرم کے بغیر حج نہ کرنا چاہیے۔یہ مسلک ابراہیم، نخعی، طاؤس، شعبی اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے اور حنبلی مذہب کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان فرماتے ہیں:

((لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ اِلَّا مَعَ ذِيْ مَحْرَمٍ وَّ لَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا رَجُلٌ اِلَّا وَمَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُرِيْدُ اَنْ اَخْرُجَ فِيْ جَيْشِ كَذَا وَّكَذَا وَامْرَأَتِيْ تُرِيْدُ الْحَجَّ فَقَالَ اخْرُجْ مَعَهَا)) (بخاری:ج۱ص۲۵۰)

''کوئی عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے اور کوئی آدمی کسی غیر عورت کے پاس اس کے محرم کے بغیر نہ جائے۔ایک آدمی کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! میرا فلاں فلاں فوج کے ساتھ جہاد کے لئے جانے کا ارادہ ہے اور میری بیوی کا حج کا ارادہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جاؤ۔''

(۲) اگر حج کا سفر تین دن رات سے کم کا ہو تو عورت بلا محرم جا سکتی ہے۔ لیکن اگر تین دن یا اس سے زائد کا سفر ہو تو شوہر یا محرم کے بغیر نہیں جا سکتی۔ امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔

(۳) جو عورت شوہر یا محرم نہ رکھتی ہو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ جا سکتی ہے جن کی اخلاقی حالت قابل اطمینان ہو۔ یہ ابن سیرین، عطاء، زہری، قتادہ اور اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قابل اطمینان رفیقوں کی مزید تشریح اس طرح کی ہے کہ اگر چند عورتیں بھروسے کے قابل ہوں اور وہ اپنے مردوں کے ساتھ جا رہی ہوں تو ایک بے شوہر اور بے محرم عورت ان کے ساتھ جا سکتی ہے۔ البتہ صرف ایک عورت کے ساتھ اسے نہ جانا چاہئے۔

(۴) ان سب کے خلاف ابن حزم ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ بے محرم عورت کو تنہا ہی حج کے لئے جانا جائز ہے۔ اگر وہ شوہر رکھتی ہو اور وہ اسے نہ لے جائے تو شوہر گناہگار ہوگا۔ مگر عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے بغیر ہی حج کو چلی جائے۔

ہمارے نزدیک ان چاروں مسالک میں سے تیسرا مسلک راجح ہے۔ کیونکہ اس میں ایک دینی فریضہ ادا کرنے کی گنجائش بھی اور اس فتنے کا احتمال بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے حدیث میں عورت کے بلا محرم سفر کرنے کو منع کیا گیا ہے۔ نیز اس مسلک کے لئے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا عمل بھی ہے جو کتب احادیث میں مروی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

((اَذِنَ عُمَرُ لِاَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ اٰخِرِ حَجَّةٍ حَجَّهَا فَبَعَثَ مَعَهُنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَعَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ رضی اللہ عنہ)) (بخاری: ج ۱ ص ۲۵۰)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری حج میں آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو حج کرنے کی اجازت دے دی اور ان کے ہمراہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔''

طبقات ابن سعد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے آگے آگے چلتے تھے اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے اور وہ ہودجوں میں بیٹھی ہوئی تھیں اور ان پر سبز چادریں پڑی ہوئی تھیں۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے حج کیا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے عہد خلافت میں حج کرایا۔

(ملاحظہ ہو فتح الباری شرح صحیح بخاری: ج ۴' ص ۴۴۴ قسطلانی: ج ۲' ص ۲۶۲)

فراغت کے بعد سفر سے جلدی واپس آ جانا چاہئے:

مسافر کو چاہئے کہ جب اس کی حاجت پوری ہو جائے تو جلد اپنے گھر لوٹ آئے۔ کیونکہ حدیث میں وارد ہے کہ:

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ آدمی کو کھانے پینے سے روک دیتا ہے۔ پس جب کوئی اپنا کام پورا کر چکے تو جلد سفر سے اپنے گھر والوں میں واپس آ جائے۔

(بخاری: ج ۱' ص ۲۴۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلاضرورت سفر اختیار کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں سراسر تکلیف و مشقت ہوتی ہے۔ اس لئے جلد واپس آنا مستحب ہے۔ کیونکہ اپنے بیوی بچوں میں رہنے میں راحت ہوتی ہے' جس میں دین و دنیا کی صلاحیت اور جمعہ جماعت کی مداومت نیز دیگر عبادات پر قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ جو حدیث ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً آیا ہے کہ سفر کرو رزق میں کشادگی پاؤ گے' تندرست ہو جاؤ گے' سو اس حدیث اور پہلی حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ سفر میں صحت باعتبار ریاضت و تبدیلی آب و ہوا کے ہے اور عذاب کا ٹکڑا باعتبار مشقت و تکلیف کے ہے جو عموماً سفر میں لاحق ہوتی ہے۔ (فتح الباری: ج ۴' ص ۳۷۳)

سفر سے واپسی پر دوستوں کی دعوت کرنا:

جب آدمی کسی طویل سفر سے واپس آتا ہے تو اکثر دوست احباب ملنے کے لئے آ جاتے ہیں تو ایسے موقعوں پر دوستوں کو کھانا کھلانا یا کسی دیگر کھانے پینے کی چیز سے ان کی تواضع کرنا سنت ہے۔ حدیث میں آیا ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ جب غزوہ تبوک یا ذات الرقاع سے لوٹ کر واپس مدینہ تشریف لائے تو آپ نے ایک اونٹ یا ایک گائے ذبح کی' پھر سب لوگوں کو اس کا گوشت کھلایا۔

(بخاری: ج۱' ص۴۴۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق آیا ہے کہ جب وہ کسی سفر سے واپس گھر آتے تو دوست احباب ان سے ملاقات کے لئے آتے تو آپ ان کے ساتھ کھانے پینے کی خاطر چند روز تک روزہ نہ رکھتے۔ (بخاری: ج۱' ص۴۴۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ سفر میں مستقلاً روزہ نہ رکھتے' نہ قضاء نہ نفل اور حضر میں اکثر نفلی روزے رکھا کرتے۔ (فتح الباری: ج۶' ص۵۴۴)

سفر سے واپسی کی دعا:

مسافر جب اپنے وطن کو واپس لوٹے تو تین دفعہ تکبیر کہہ کر یہ دعا پڑھے:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ' لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهٗ' الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ' اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ' وَنَصَرَ عَبْدَهٗ' وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

(بخاری: ج۲' ص۸۴۵' شرح السنۃ: ج۵' ص۱۴۹)

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں۔ ملک اسی کا ہے اور تعریف اسی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم لوٹ آئے ہیں توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے' سجدہ کرنے والے' اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندے حضرت محمد ﷺ کی مدد فرمائی اور کافروں کے گروہ کو تنہا شکست دی۔''

جب اپنا شہر نظر آئے تو یہ دعا پڑھنی چاہیے:

((اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ)) (حصن حصین: ص۱۴۴)

واپسی پر تحیۃ المسجد:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں

تھے۔ جب ہم واپس مدینہ آئے تو آپ نے مجھے ہدایت فرمائی کہ پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھو، پھر گھر جاؤ۔ (مشکوٰۃ: ج۲ ص۳۳۹)

معلوم ہوا کہ مسافر کو گھر جانے سے پہلے مسجد میں جا کر وہاں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا سنت ہے۔ ظاہر احادیث سے تو اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں وجوب کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔ اور علامہ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''دلیل الطالب'' اور ''الروضة الندية'' میں اس کو حق کہا ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک مستحب ہے۔ پھر جب اپنے گھر میں داخل ہو تو یہ دعا پڑھے:

((تَوْباً تَوْباً لِرَبِّنَا اَوْباً لَا يُغَادِرُ عَلَيْنَا حُوْباً)) (حصن حصین: ص۱۴۴)

''ہم لوٹ کر آئے اللہ کے حضور، توبہ کرتے ہیں، تو ہمارے سب گناہوں کو معاف فرمائے گا۔''

طویل سفر کے بعد اچانک رات کو گھر آنا منع ہے:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف میں ان الفاظ سے ایک باب قائم کیا ہے:

''بَابٌ لَا يَطْرُقْ اَهْلَهٗ اِذَا بَلَغَ الْمَدِيْنَةَ'' یعنی باب ہے اس بارے میں کہ جب آدمی سفر سے واپس اپنے شہر میں آئے تو رات کو اچانک پیشگی اطلاع دیے بغیر گھر میں نہ آئے۔

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ یہ حدیث لائے ہیں:

((عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى النَّبِيُّ ﷺ اَنْ يَّطْرُقَ اَهْلَهٗ لَيْلًا)) (بخاری: ج۱ ص۲۴۲)

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر سے رات کو اپنے گھر میں آنے سے منع فرمایا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس باب اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی مسافر مدت کے بعد واپس آئے تو رات کو اپنے گھر میں اچانک نہ آئے بلکہ گھر والوں کو اپنے آنے کی پیشگی اطلاع دینی ضروری ہے۔

اچانک نہ آنے کی حکمت:

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر یہ باب قائم کیا ہے:

"بَابُ لاَ يَطْرُقُ اَهْلَهُ لَيْلاً اِذَا طَالَ الْغَيْبَةُ مَخَافَةَ اَنْ يُخَوِّنَهُمْ اَوْ يَلْتَمِسَ عَثَرَاتِهِمْ"

یہ باب اس بارے میں ہے کہ مسافر کو کسی لمبے سفر کے بعد اچانک رات کو گھر آنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ ایسا نہ بنے جیسے کوئی اپنے گھر کی کمزوریوں کی ٹوہ لگاتا ہے یا پردہ فاش کرتا ہے۔

یہی علت چونکہ ایک دوسری حدیث میں بھی وارد ہے' بدیں وجہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو باب قائم کر کے واضح کر دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت اس طرح آئی ہے:

((لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِىْ مِنَ ابْنِ اٰدَمَ مَجْرَى الدَّمِ)) (فتح الباری: ج ۱۱ ص ۲۵۴)

"مغیبات عورتوں پر اچانک نہ آیا کرو کیونکہ شیطان ابن آدمی کے اندر اس طرح چلتا ہے جیسے جسم میں خون گردش کرتا ہے۔"

لیکن اگر مسافر پہلے سے اپنے آنے کی اطلاع دے چکا ہے یا سفر مختصر تھا تو رات کو ہی گھر جانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ جیسا کہ خود بعض الفاظ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت اس طرح آئی ہے:

((قَدِمَ النَّبِىُّ ﷺ مِنْ غَزْوَةٍ فَقَالَ لَا تَطْرُقُوْا النِّسَاءَ وَاَرْسَلَ مَنْ يُّؤْذِنُ النَّاسَ اَنَّهُمْ قَادِمُوْنَ)) (فتح الباری: ج ۱۱ ص ۲۵۴)

"آنحضرت ﷺ ایک جنگ سے واپس لوٹے تو آپ نے فرمایا اچانک عورتوں کے پاس گھر میں نہ جانا اور ایک آدمی بھی بھیج دیا تاکہ مسافروں کے واپس آنے کی پیشگی اطلاع کر دے۔"

آنحضرت ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہزاروں دینی اور دنیاوی فوائد مضمر ہیں، اپنے اپنے وقت پر ان کی خوبیاں ضرور ظاہر ہوتی ہیں۔ جو لوگ آپ کی تعلیمات و ہدایات پر عمل نہیں کرتے وہ مخالفت کے نتائج بھی دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

”وَقَدْ خَالَفَ بَعْضُهُمْ فَرَأَى عِنْدَ اَهْلِهٖ رَجُلًا فَعُوْقِبَ بِذٰلِكَ عَلٰى مُخَالَفَتِهٖ“

(فتح الباری: ج ۱۱، ص ۲۵۴)

”بعض لوگوں نے آپ ﷺ کی ہدایت کی مخالفت کی اور رات کو اچانک گھر چلے گئے تو انہوں نے اپنے گھروں میں اجنبی مردوں کو پایا۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت اس طرح آئی ہے:

((نَهَى النَّبِيُّ ﷺ اَنْ تُطْرَقَ النِّسَاءُ لَيْلًا فَطَرَقَ رَجُلَانِ كِلَاهُمَا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهٖ مَا يَكْرَهُ)) (فتح الباری: ج ۱۱، ص ۲۵۵)

”سفر سے واپسی پر اچانک گھر میں جانے سے آپ نے منع فرمایا۔ چنانچہ دو آدمیوں نے آپ کے اس حکم صریح کی مخالفت کی اور اچانک رات کو گھر چلے تو ان دونوں نے اپنی اپنی بیویوں کے پاس غیر مرد کو بری حالت میں پایا۔“

شانِ ورود:

حضرت جابر ﷛ والی مذکورہ حدیث کا شان ورود یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷛ ایک مرتبہ اچانک رات کو اپنے گھر آئے تو اس وقت ان کی بیوی کے پاس ایک مشاطہ بیٹھی ہوئی تھی جو ان کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷛ اس کو ایک اجنبی مرد سمجھ کر تلوار مارنے لگے تو ان کی بیوی صاحبہ نے بتایا کہ یہ اجنبی مرد نہیں ہے بلکہ یہ ایک عورت ہے جو کنگھی کرنے آئی ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ جب آنحضرت ﷺ کے سامنے کیا گیا تو آپ نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر فرمایا کہ کوئی مسافر طویل سفر کے بعد بدوں اطلاع اچانک رات کو گھر میں نہ جائے۔ (فتح الباری: ج ۱۱، ص ۲۵۵)

ویسے بھی عورت خاوند کی غیر حاضری میں صفائی کا اہتمام نہیں رکھتی۔اس لئے ایسی حالت میں اچانک خاوند اپنی عورت کے پاس چلا جائے تو میاں بیوی کے درمیان بجائے محبت بڑھنے کے نفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔اس لئے مسافر کو اچانک رات میں گھر آنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

گھر والوں کے لئے تحفہ:

علامہ ابن عبدالبر مغربی فرماتے ہیں کہ:

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب آدمی سفر سے آئے تو اپنے اہل وعیال اور دوست واحباب کے لئے تحفہ وسوغات کھانے پینے وغیرہ کی کوئی چیز اپنی گنجائش کے مطابق ساتھ لیتا آئے۔حدیث میں اس کی یہاں تک تاکید آئی ہے کہ اگر اور کچھ نہ ملے تو اپنی جھولی میں کوئی خوبصورت پتھر ہی ڈال کر لے آئے۔

(دار قطنی، فتح الباری: ج ۳، ص ۳۷۳۔کنز العمال: ج ۲، ص ۳۲)

بعض روایات میں ہے کہ لکڑیوں کا گٹھا ہی لے آئے تا کہ گھر والے خوش ہوں۔

(کنز العمال: ج ۲، ص ۳۲)

عندالملاقات سلام:

دنیا کی تمام متمدن قوموں اور گروہوں میں ملاقات کے وقت پیار ومحبت یا جذبہ اکرام وخیر اندیشی کا اظہار کرنے اور مخاطب کو مانوس ومسرور کرنے کے لئے کوئی خاص کلمہ کہنے کا رواج رہا ہے اور آج بھی ہے۔رسول اللہ ﷺ کے وقت عربوں میں بھی اسی طرح کے کلمات ملاقات کے وقت کہنے کا رواج تھا۔

مشہور صحابی رسول حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ اسلام سے پہلے ملاقات کے وقت آپس میں "اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْناً" (خدا آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب کرے) اور " اَنْعِمْ صَبَاحاً " (تمہاری صبح خوشگوار ہو) کہا کرتے تھے۔جب ہم لوگ جاہلیت کے اندھیرے سے نکل کر اسلام کی روشنی میں آ گئے تو ہمیں اس کی ممانعت کر دی گئی یعنی اس کے بجائے ہمیں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" کی تعلیم دی گئی۔

آج بھی کوئی غور کرے تو واقعہ یہ ہے کہ اس سے بہتر کوئی کلمہ محبت و تعلق اور اکرام و خیر اندیشی کے اظہار کے لئے سوچا نہیں جا سکتا۔ ذرا اس کی معنوی خصوصیات پر غور کیجئے یہ بہترین اور نہایت جامع دعائیہ کلمہ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تم کو ہر طرح کی سلامتی نصیب فرمائے۔ یہ اپنے سے چھوٹوں کے لئے شفقت اور رحمت اور پیار و محبت کا کلمہ بھی ہے اور بڑوں کے لئے اس میں اکرام اور تعظیم بھی ہے۔ اور پھر "اَلسَّلَامُ" اسماء الٰہیہ میں سے بھی ہے۔ قرآن مجید میں یہ کلمہ انبیاء و رسل علیہم السلام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور اکرام اور بشارت کے استعمال فرمایا گیا ہے اور اس میں عنایت اور پیار و محبت کا رس بھرا ہوا ہے۔

اور اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اسی طرح سلام عرض کریں: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" الخ۔

اور ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ: جب ہمارے وہ بندے آپ ﷺ کے پاس آئیں جو ایمان لا چکے ہیں تو آپ ﷺ ان سے کہیں کہ: ((سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ)) (السلام علیکم تمہارے پروردگار نے تمہارے لئے رحمت کا فیصلہ فرما دیا ہے۔) اور آخرت میں داخلۂ جنت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان سے فرمایا جائے گا:

﴿ اُدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اور سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴾

الغرض آپس میں جب ملاقات ہو خواہ یہ کسی سفر سے واپسی کی ہو یا ویسے ہی ملاقات ہو، "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" سے بہتر کوئی کلمہ نہیں ہو سکتا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی نہایت مبارک تعلیمات میں سے ہے اور یہ اسلام کا شعار ہے۔

مصافحہ:

ملاقات کے وقت محبت و مسرت اور جذبۂ اکرام و احترام کے اظہار کا ایک ذریعہ سلام کے علاوہ اور اس سے بالاتر مصافحہ بھی ہے جو عموماً سلام کے ساتھ اور اس کے بعد ہوتا ہے۔ اور اس سے سلام کے ان مقاصد کی گویا تکمیل ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں

صراحتہ یہی بات بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

((مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْاَخْذُ بِالْيَدِ)) (ترمذی: ج۲ ص۹۷)

''سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔''

قتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا اصحاب رسول ﷺ میں مصافحہ کا رواج تھا؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں۔

(ترمذی: ج۲ ص۹۷)

(قریب قریب یہی مضمون جامع ترمذی ہی میں ایک دوسری حدیث کے ضمن میں مشہور صحابی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔)

مصافحہ کا اجر وثواب اور اس کی برکتیں

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَلَهُمَا))

(ابوداؤد: ج ۲' ص ۳۶۱)

''جب دو مسلمانوں کی ملاقات ہو اور وہ مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ اللہ کی حمد اور اپنے لئے مغفرت طلب کریں تو ان کی مغفرت ہو جائے گی۔''

عطاء خراسانی تابعی سے (بطریق ارسال) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((تَصَافَحُوْا يَذْهَبِ الْغِلُّ وَتَهَادُوْا تَحَابُّوْا وَتَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ))

(موطا امام مالک)

''تم باہم مصافحہ کیا کرو اس سے کینہ کی صفائی ہوتی ہے اور آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے تم میں باہم محبت پیدا ہو گی اور دلوں سے دشمنی دور ہو گی۔''

یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح عطاء خراسانی سے مرسلاً روایت کی ہے یعنی انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ ان کو یہ حدیث کس صحابی رضی اللہ عنہ سے پہنچی ہے۔ ایسی حدیث کو مرسل کہا جاتا ہے اور اس طریقہ پر روایت کرنے کو ارسال۔

یہاں یہ یاد رہے کہ ہر عمل کی تاثیر اور برکت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس میں روح ہو۔ جو دانہ بے جان ہو چکا ہو اس سے پودا نہیں اگتا۔

معانقہ و تقبیل:

محبت و تعلق کے اظہار کا آخری اور انتہائی ذریعہ معانقہ اور تقبیل (چومنا) ہے۔ لیکن اس کی اجازت اسی صورت میں ہے جب موقع محل کے لحاظ سے کسی شرعی مصلحت کے خلاف نہ ہو اور اس سے کسی برائی یا اس کے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک آدمی نے

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ جب اپنے بھائی یا عزیز یا دوست سے ملاقات ہو تو کیا اس کی اجازت ہے کہ اس سے لپٹ جائیں' اس کو گلے لگائیں اور اس کو چومیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس شخص نے عرض کیا تو پھر اس کی اجازت ہے کہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مصافحہ کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس کی اجازت ہے۔

اس حدیث سے معانقہ اور تقبیل کی جو ممانعت مفہوم ہوتی ہے اس کے بارے میں شارحین حدیث کی رائے دوسری بہت سی حدیثوں کی روشنی میں یہی ہے کہ اس کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک و شبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ خود رسول اللہ ﷺ کے معانقہ اور تقبیل کے بہت سے واقعات مروی اور ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوں گے۔

((عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ بُشَیْرٍ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ عَنَزَةَ اَنَّهٗ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ ذَرٍّ هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُصَافِحُكُمْ اِذَا لَقِیْتُمُوْهُ قَالَ مَا لَقِیْتُهٗ قَطُّ اِلَّا صَافَحَنِیْ وَبَعَثَ اِلَیَّ ذَاتَ یَوْمٍ وَلَمْ اَكُنْ فِیْ اَهْلِیْ فَلَمَّا جِئْتُ اُخْبِرْتُ فَاَتَیْتُهٗ وَهُوَ عَلٰی سَرِیْرٍ فَالْتَزَمَنِیْ فَكَانَتْ تِلْكَ اَجْوَدَ اَجْوَدَ)) (ابوداود: ج۲ ص۳۶۱)

''ایوب بن بشیر قبیلہ بنو عنزہ کے ایک آدمی سے روایت کرتے ہیں' اس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ ملاقات کے وقت آپ لوگوں سے مصافحہ بھی کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ میں جب بھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ملا تو آپ نے ہمیشہ مجھ سے مصافحہ کیا۔ اور ایک دفعہ آپ ﷺ نے مجھے گھر سے بلوایا' میں اس وقت گھر پر نہیں تھا جب میں گھر آیا اور مجھے بتایا گیا (کہ حضور ﷺ نے مجھے بلوایا تھا) تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ اپنے سریر پر تھے (جو کھجور کی شاخوں سے ایک تخت یا چارپائی کی طرح بنا لیا جاتا تھا)۔ آپ (اس سے اٹھ کر) مجھ سے لپٹ گئے اور گلے لگا لیا اور آپ ﷺ کا معانقہ بہت خوب اور بہت ہی خوب تھا (یعنی لذت بخش اور بہت ہی مبارک تھا)۔

امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مرسلاً روایت ہے کہ:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَلَقّٰی جَعْفَرَ ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَہٗ وَقَبَّلَ مَا بَیْنَ عَیْنَیْہِ))

(ابوداؤد: ج۲، ص ۳۶۲)

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا (جب وہ حبشہ سے واپس آئے) تو آپ ان کو لپٹ گئے یعنی معانقہ کیا اور دونوں آنکھوں کے بیچ میں (ان کی پیشانی کو) بوسہ دیا۔''

امام زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان فرماتے ہیں:

((قَدِمَ زَیْدُ بْنُ حَارِثَۃَ الْمَدِیْنَۃَ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ بَیْتِیْ فَاَتَاہُ فَقَرَعَ الْبَابَ فَقَامَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عُرْیَانًا یَجُرُّ ثَوْبَہٗ وَاللّٰہِ مَا رَاَیْتُہٗ عُرْیَانًا قَبْلَہٗ وَلَا بَعْدَہٗ فَاعْتَنَقَہٗ وَقَبَّلَہٗ)) (ترمذی)

''جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آئے تو آپ ﷺ اس وقت میرے گھر میں تھے۔ دروازے پر آ کر انہوں نے دستک دی۔ جب آپ ﷺ کو زید کی آمد کا علم ہوا تو خوشی سے جلدی اس کی طرف اٹھے۔ آپ ﷺ کے جسم پر سوائے تہبند کے اس وقت کوئی کپڑا بھی نہیں تھا۔ آپ ﷺ اسی حالت میں تہبند کو کھینچتے ہوئے اس کے پاس پہنچے۔ اسے گلے لگایا اور بوسہ دیا۔''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو شکل وصورت، سیرت وعادت اور چال ڈھال میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ زیادہ مشابہ ہو صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے (یعنی ان سب چیزوں میں وہ سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہ تھیں)۔ جب وہ حضور ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ (جوش محبت سے) کھڑے ہو کر ان کی طرف بڑھتے' ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے لیتے اور پیار سے اس کو چومتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے (اور یہی ان کا دستور تھا)۔ جب آپ ان کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں' آپ ﷺ کا دست مبارک اپنے ہاتھ میں لے لیتیں، اس کو چومتیں

اور اپنی جگہ پر آپ کو بٹھاتیں۔ (ابوداؤد: ج ۲' ص ۳۶۲)

یہ روایت اور اس سے پہلی درج شدہ روایات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ محبت اور اکرام کے جذبہ سے معانقہ اور تقبیل (ہاتھ یا پیشانی وغیرہ چومنا) جائز اور خود رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں۔ اس لئے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو جس میں معانقہ اور تقبیل کی ممانعت کا ذکر ہے اسی پر محمول کیا جائے گا کہ وہ حکم یا تو حضر میں ملاقات کے لئے خاص ہے (سفر سے واپسی پر معانقہ اور تقبیل کی ممانعت نہیں ہے) یا پھر یہ حکم ان مواقع کے لئے ہے جن مواقع پر سینہ سے لگانے اور چومنے میں کسی برائی یا اس کے شک وشبہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی آمد پر حضور ﷺ کے کھڑے ہو جانے اور حضور ﷺ کی تشریف آوری پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے کھڑے ہونے کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ محبت اور اکرام واحترام کے جذبہ سے اپنے کسی عزیز ومحبوب یا علم وفضل کے لحاظ سے کسی محترم بزرگ کے لئے کھڑے ہو جانا بھی جائز ہے۔ لیکن ترمذی وغیرہ کی بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے تشریف لانے پر اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کبھی کھڑے ہو جاتے تو آپ ﷺ اس کو ناپسند فرماتے اور ناگواری کا اظہار فرماتے۔ (ترمذی)۔ شارحین حدیث نے ان دونوں قسم کی روایات میں یہ تطبیق دی ہے کہ کسی کے لئے کھڑا ہونا تعظیم کے لئے ہو تو منع ہے' اگر تعظیم نہ ہو بلکہ جذبہ محبت یا کسی کے علم وفضل اور بزرگی کی بناء پر کھڑا ہونا ہو تو جائز ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے جس میں یہی مذکورہ تطبیق ذکر کی ہے' مگر بعض دوسرے علماء نے اسی مذکورہ تطبیق کو پسند نہیں کیا' ان کے نزدیک کسی کے لئے مطلقاً قیام منع ہے۔ ان علماء میں سے شیخ ابن الحاج خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنہوں نے اپنی مشہور کتاب "المدخل" میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ رسالہ کو نقل کر کے بھرپور رد کیا ہے۔ جو شخص اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث دیکھنا چاہتا ہے وہ "المدخل" کا ضرور مطالعہ کرے۔

سفر کی نماز

جب تک جسم میں جان ہے اور حواس قائم ہیں' نماز ادا کرنا فرض ہے۔ نبی، ولی، عالم، جاہل کوئی بھی اس فریضہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرمایا:

﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ (سورۃ الحجر)

''اس آخری گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔''

آپ پر عبادت فرض ہے لیکن مشکلات کا لحاظ رکھتے ہوئے وقتی طور پر رعایت دی ہے کہ جیسے ہو سکے ادا کرلو فَصَلُّوْا رِجَالاً اَوْ رُكْبَاناً چلتے ہوئے اور سواری پر نماز پڑھ لو۔ سفر بھی اسی قسم کا عذر ہے۔ مسافر دولت مند ہو یا مسکین اثنائے سفر اسے حسب حال جس قدر بھی سہولت میسر ہو وہ گھر کے برابر نہیں ہو سکتی۔ سفر ہر ایک کے لئے بہر حال سفر ہے۔ جیسے کہ پہلے گذر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ آدمی کو کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ پس جب کوئی اپنا کام پورا کر چکے تو جلد از جلد سفر سے اپنے گھر والوں میں لوٹ آئے۔

(صحیح بخاری: ج ۱ ص ۲۴۲)

نقل و حمل کے وسائل و ذرائع دنیا میں ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ پیدل سے لے کر ہوائی جہاز تک کے ذرائع موجود ہیں۔ دنیا نے ان ذرائع میں ترقی کی ہے۔ مگر سفر بہر حال مشکل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عاجز بندوں کی اس حالت پر رحم فرما کر کچھ رخصتیں عطا فرمائی ہیں۔ سب سے بھاری رخصت تو یہ عطا کی کہ نماز میں قصر کرنے کی اجازت دی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ

الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا﴾ (النساء)

''اور جب تم لوگ سفر کے لئے نکلو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر نماز میں اختصار کردو۔ خصوصاً جب تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔''

قرآن عزیز کی اس آیت سے سفر میں بحالت خوف نماز قصر کرنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ فتح مکہ کے بعد صحابہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ اب تو کوئی خوف نہیں کیا اب بھی سفر میں قصر کی اجازت ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

((صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهِ عَلَيْكُمْ)) (ابوداؤد مع عون المعبود: ج۱'ص ۴۶۵)

''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے' خوف نہ ہو تو بھی درست ہے۔''

زمانہ امن کے سفر میں قصر یہ ہے کہ جن اوقات کی نماز چار رکعتیں فرض ہیں ان میں دو رکعتیں پڑھی جائیں اور حالت جنگ میں قصر کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ جماعت کا موقع ہو تو جماعت کے ساتھ ورنہ فرداً فرداً ہی سہی۔ قبلہ رخ نہ ہو سکتے ہوں تو جدھر بھی ہو' سواری پر بیٹھے ہوئے اور چلتے پھرتے بھی پڑھ سکتے ہیں۔ رکوع' سجدہ ممکن نہ ہو تو اشارہ ہی سہی۔ ضرورت پڑے تو نماز کی حالت میں چل پھر بھی سکتے ہیں۔ کپڑوں کو خون لگا ہوا ہو تو تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ ان سب آسانیوں کے باوجود اگر ایسی پرخطر حالت ہو کہ کسی طرح نماز نہ پڑھی جاسکے تو مجبوراً مؤخر کی جائے۔ جیسے خندق کے موقع پر ہوا کہ آپ ﷺ نے چار نمازیں اکٹھی عشاء کے وقت ادا فرمائیں۔ کیونکہ اس روز گھمسان کا مقابلہ رہا اور نماز ادا کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ (نیل الاوطار: ج۴'ص ۳۱۴)

قصر عزیمت ہے یا رخصت؟

بعض ائمہ کرام نے ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ﴾ یعنی ''قصر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں'' کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ سفر میں قصر کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ محض اس کی اجازت ہے۔ آدمی چاہے تو اس سے فائدہ اٹھائے ورنہ پوری پڑھے۔ یہی رائے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختیار کی ہے اگرچہ وہ قصر کرنے کو افضل اور ترک قصر کو اولیٰ قرار دیتے ہیں۔

(۱) حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قصر کرنا واجب تو نہیں مگر نہ کرنا مکروہ ہے۔

(۲) بعض اہل علم قصر ضروری سمجھتے ہیں اور سفر میں پوری نماز کو ناپسند کرتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور امام شوکانی رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہی تحقیق ہے۔ اور یہی رائے ایک روایت میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے اور ذیل کی حدیث بھی اسی نظریہ کی مؤید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((فَرَضَ اللّٰہُ الصَّلٰوۃَ عَلٰی نَبِیِّکُمْ ﷺ فِی الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِی السَّفَرِ رَکْعَتَیْنِ وَفِی الْخَوْفِ رَکْعَۃً)) (صحیح مسلم: ج۱،ص۲۴۱، مشکوٰۃ: ج۱،ص۱۱۹)

''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان مبارک پر حضر کی نماز چار رکعت مقرر فرمائی اور سفر کی نماز دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت۔''

اس حدیث کا بظاہر یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی نماز مقرر ہی دو رکعت کی گئی۔ نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ رخصت اللہ کا عطیہ ہے اس کو قبول نہ کرنا اس کی ناشکری ہے۔ اس لئے قصر ضروری ہے اور پوری پڑھنا پسندیدہ فعل نہیں ہے۔

احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ سفر میں قصر کی ہے اور کسی معتبر روایت میں یہ منقول نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی سفر میں چار رکعتیں پڑھی ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

((صَحِبْتُ النَّبِیَّ ﷺ وَکَانَ لَا یَزِیْدُ فِی السَّفَرِ عَلٰی رَکْعَتَیْنِ وَاَبَا بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ کَذٰلِکَ)) (صحیح بخاری: ج۱،ص۱۴۹۔ صحیح مسلم: ج۱،ص۲۴۲)

اس کی تائید میں ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی مستند روایات منقول ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب حج کے موقع پر منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر اعتراض کیا۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کیا کہ میں نے مکہ میں شادی کر لی ہے اور چونکہ نبی ﷺ سے میں نے

سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں متاہل ہو وہ گویا اس شہر کا باشندہ ہے۔ اس لئے میں نے یہاں قصر نہیں کی۔ (نیل الاوطار: ج ۳ ص ۲۰۲)

سفر میں نفلی نماز:

نفلی نماز دو قسم کی ہے:

(۱) راتبہ (۲) غیر راتبہ

(۱) راتبہ:

اس سے مراد وہ سنن مؤکدہ ہیں جو فرضوں سے قبل اور بعد پڑھی جاتی ہیں اور ان پر آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ مواظبت فرمائی ہے اور امت کو ان کے پڑھنے کی بہت تاکید کی ہے۔

(۲) غیر راتبہ:

اس سے مراد وہ عام نوافل ہیں جن کے پڑھنے سے انسان اجر و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور نہ پڑھنے سے عنداللہ ماثوم و معتوب نہیں ٹھہرتا۔

اس جگہ ایک اہم بحث یہ ہے کہ سفر میں فرائض کے علاوہ نفلی نماز کی بھی قصر ہے یا (معافی) نہیں؟ اس میں علماء کے چھ مسلک ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) سفر میں ہر قسم کی نفلی نماز پڑھنی منع ہے۔

(۲) ہر قسم کی نفلی نماز پڑھنی جائز ہے۔ یہ قول جمہور علمائے امت کا ہے۔ ان کے نزدیک سفر میں اگرچہ فرائض میں قصر ہے تاہم اگر کوئی شخص اجر و ثواب کی خاطر عام نوافل بھی پڑھ لے تو مورد طعن نہیں ہے بلکہ عنداللہ ثواب پائے گا۔ ان کا استدلال مندرجہ ذیل احادیث سے ہے:

(۱) ((عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ))

(ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۷۹)

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ کے ساتھ

اٹھارہ سفروں میں رفاقت کا اتفاق ہوا ہے۔ میں نے آپ ﷺ کو دو رکعت بعد الزوال قبل الظہر چھوڑتے نہیں دیکھا۔"

یہ دو رکعتیں کیسی تھیں؟ اس میں تین احتمالات ہیں:

(۱) وضو کے دو نفل

(۲) زوال کی دو رکعتیں

(۳) ظہر کی دو سنت

صاحب تحفۃ الاحوذی اور صاحب مرعاۃ المفاتیح نے تیسرے احتمال کو اظہر قرار دیا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث ان لوگوں کی قوی دلیل ہے جو سفر میں سنن رواتب کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ اور اسی حدیث کو سامنے رکھ کر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے شیخ الاسلام ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سفر میں فرض نماز سے قبل یا بعد سوائے دو رکعت فجر کی اور سنن رواتب پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ اور کہا ہے شاید یہ حدیث حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ثابت نہ ہوگی ورنہ علی الاطلاق نفی نہ کرتے۔ (فتح الباری: ج ۳، ص ۲۳۲)

علامہ محمود محمد خطاب السبکی فرماتے ہیں:

"لٰكِنْ تَقَدَّمَ اَنَّ الْبُخَارِیَّ وَالتِّرْمَذِیَّ حَسَّنَاهُ۔"

(العذب المنهل المورود : ج ۷، ص ۸۱)

(۲) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ اِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ))

(بخاری: ج ۱، ص ۱۳۶)

"آنحضرت ﷺ سفر میں اپنی سواری پر ہی نماز پڑھ لیا کرتے تھے، جدھر اس کا منہ ہوتا ادھر ہی آپ بھی منہ کر لیتے۔ رکوع و سجود کے لئے سر سے اشارہ کرتے سوائے فرض نماز کے۔ اور وتر آپ ﷺ سواری پر ہی پڑھتے۔"

(۳) حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا سَافَرَ فَأَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ بِنَاقَتِهِ الْقِبْلَةَ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ وَجْهَهُ رِكَابُهُ)) (ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۸۰)

''جب آنحضرت ﷺ نفل نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنے اونٹ کا رخ قبلہ کی طرف کر کے تکبیر تحریمہ کہہ لیتے پھر نماز پڑھتے' سواری کا رخ جدھر بھی ہو جاتا کوئی پرواہ نہ کرتے۔''

(۴) جمہور علماء ان مطلق احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں سنن مؤکدہ کے پڑھنے کی ترغیب وفضیلت وارد ہے اور سفر وحضر کا ان میں کوئی فرق بیان نہیں کیا گیا۔

(۵) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ:

((أَنَّهُ كَانَ يَتَطَوَّعُ فِي السَّفَرِ)) (ترمذی: ج ۱ ص ۷۲)

''سفر میں نفلی نماز پڑھا کرتے تھے۔''

(۶) حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ:

آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ والے دن ان کے گھر میں غسل کیا اور نماز ضحیٰ کی آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ (صحیح بخاری: ص ۱۵۷ ج ۱)

فتح مکہ میں آپ مسافر ہونے کی وجہ سے نماز میں قصر کرتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز قصر کرنے کے باوجود نوافل بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نوافل میں سے کسی کا اتنا خیال نہ رکھتے جس قدر فجر کی سنتوں کا خیال رکھتے یہاں تک کہ آپ نے سفر میں بھی ادا فرمائی ہیں۔ جیسا کہ ابو ہریرہ' ابو قتادہ' عمران بن حصین وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے صراحت ملتی ہے کہ آپ نے اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے غزوہ خیبر سے واپسی پر پڑھی ہیں۔

(ابوداؤد: ج ۱ ص ۱۸۵)

(۸) کئی ایک احادیث سے بھی صراحت ملتی ہے کہ آپ سفر میں اپنی سواری پر ہی وتر پڑھ لیا کرتے تھے۔

تو ثابت ہوا کہ سفر میں نفلی نماز پڑھنی جائز ہے۔ کیونکہ وتر سنت ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث اس بات پر دال ہیں کہ سفر میں سنن راتبہ اور غیر راتبہ دونوں طرح کی نماز پڑھنی جائز و مشروع ہے اور یہی مسلک زیادہ راجح اور مختار معلوم ہوتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يُسَافِرُوْنَ فَيَتَطَوَّعُوْنَ قَبْلَ الْمَكْتُوْبَةِ وَبَعْدَهَا" (فقہ السنۃ: ج۱ ص۲۸۸)

''اصحاب رسول ﷺ سفر میں سنن رواتب پڑھ لیا کرتے تھے۔''

صاحب تحفۃ الاحوذی نے بھی اسی مسلک کو راجح قرار دیا ہے۔

(تحفۃ الاحوذی: ج۱ ص۳۸۶)

صاحب مرعاۃ فرماتے ہیں کہ:

سفر میں وتر اور فجر کی سنن کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ان کے علاوہ سنن رواتب نماز سے پہلے کی اور بعد کی مسافر کی مرضی پر موقوف ہیں' پڑھ لے تو ثواب پائے گا ورنہ عنداللہ مواخذہ نہ ہوگا۔ (مرعاۃ المفاتیح: ج۲ ص۲۶۳)

تیسرا مسلک یہ ہے کہ سفر میں سنن رواتب پڑھنا تو منع ہے لیکن عام نوافل پڑھنے منع نہیں ہیں۔ یہ مسلک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ چنانچہ حفص بن عاصم فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر میں تھا۔ انہوں نے ہمیں ظہر کی دو رکعت نماز پڑھائی' پھر اپنے ڈیرے میں آئے اور بیٹھ گئے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو قیام کرتے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟

میں نے عرض کیا نوافل پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے نوافل پڑھنے ہوتے تو میں پوری نماز پڑھ لیتا۔ مجھے آنحضرت ﷺ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ رفاقت کا موقع ملا ہے' وہ اسی طرح کرتے تھے (یعنی نوافل نہیں پڑھتے تھے)۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''تمہارے لئے اللہ کے رسول ﷺ ایک بہترین نمونہ ہیں۔''

(صحیح بخاری: ج ۱' ص ۱۳۹۔ ابوداؤد: ج ۱' ص ۱۷۲)

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جس نفلی نماز کا انکار کیا ہے وہ فرض نماز کے قبل اور بعد کی سنتیں ہیں' عام نوافل کی نفی نہیں ہے۔ کیونکہ عام نوافل پڑھنا خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک کا سفر کیا۔ آپ نفلی نماز سواری پر ہی پڑھ لیتے۔ لیکن جب فرض نماز پڑھنے کا وقت آتا تو نیچے اتر کر پڑھتے۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

ایک دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح آئی ہے:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُسَبِّحُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ كَانَ وَجْهُهٗ' يُوْمِيْ بِرَأْسِهٖ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُهٗ)) (بخاری: ج ۱' ص ۱۴۹)

''آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر نوافل پڑھ لیا کرتے تھے' جدھر اس کا منہ ہوتا ادھر ہی آپ بھی منہ کر لیتے اور رکوع، سجود کے لئے سر سے اشارہ کرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح پڑھ لیا کرتے تھے۔''

علامہ محمود محمد خطاب السبکی فرماتے ہیں:

"اَمَّا النَّوَافِلُ الْمُطْلَقَةُ فَقَدْ كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَتْرُكُهَا فِي السَّفَرِ"

(العذب المنہل المورود شرح ابی داؤد: ج ۷' ص ۸۰)

''عام نفلی نماز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی سفر میں پڑھ لیا کرتے تھے۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ دو احادیث پر حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو دو باب قائم کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی مسلک کو راجح سمجھتے ہیں۔ نیز موطا امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

"اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ كَانَ يَرَى ابْنَهٗ' عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا

يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔"

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے عبیداللہ کو سفر میں نفل پڑھتے ہوئے دیکھتے تو منع نہ کرتے۔"

چوتھا مسلک یہ ہے کہ عام نوافل دن میں پڑھنے تو ٹھیک نہیں ہیں البتہ رات کو پڑھنے مباح ہیں۔

پانچواں مسلک یہ ہے کہ فرضوں سے بعد کی سنن رواتب تو پڑھنی منع ہیں لیکن پہلے والی سنتیں پڑھنی منع نہیں ہیں۔ جن احادیث میں نفی وارد ہے وہ فرضوں سے بعد والی سنن سے متعلق ہے۔ لہٰذا پہلی سنن اور مطلق نوافل پڑھنے منع نہیں ہیں۔

چھٹا مسلک یہ ہے کہ سفر میں فجر کی سنن اور وتر کے سوا ہر قسم کی سنن رواتب اور غیر رواتب پڑھنی منع ہیں۔

فجر کی سنن اور وتر کی چونکہ تاکید وارد ہے اور آنحضرت ﷺ سے سفر و حضر میں ان کا ترک ثابت نہیں ہے اس لیے بدیں وجہ ان کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ یہ رائے شیخ الاسلام حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ (زاد المعاد: ج ۱، ص ۴۷۳)

ان مذکورہ چھ مسالک میں سے پہلا مسلک زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کی مؤید وہ مختلف احادیث ہیں جو آپ اس سے قبل ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

قصر نماز کے لئے سفر کیسا ہو؟

جس سفر میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے وہ سفر کیسا ہونا چاہیئے؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

(۱) بعض ائمہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ فی سبیل اللہ ہونا چاہیئے۔ جیسے جہاد، حج، طلب علم وغیرہ۔ ابن عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہم اور عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی فتویٰ ہے۔

(۲) بعض ائمہ کہتے ہیں کہ سفر کسی ایسے مقصد کے لئے ہونا چاہیئے جو شرعاً جائز ہو۔ حرام و ناجائز اغراض کے لئے جو سفر کیا جائے اس میں قصر کی اجازت سے فائدہ اٹھانے کا کسی کو کوئی حق نہیں ہے۔ یہ رائے حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم

اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(۳) بعض ائمہ کا یہ خیال ہے کہ قصر ہر سفر میں کیا جا سکتا ہے۔ رہی سفر کی نوعیت تو وہ بذات خود ثواب یا عتاب کی مستحق ہو سکتی ہے مگر قصر کی اجازت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ حضرت امام ابوحنیفہ، ثوری، اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آیت عام ہے۔ اس میں کسی سفر کی تعیین و تحدید نہیں ہے۔ لہٰذا مطلق سفر مراد ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لئے یا لوگوں کو ستانے کے لئے نکلا ہوا سے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔

مگر یاد رہے کہ یہ قول جمہور امت کے خلاف ہے۔

(ابن کثیر: ج ۲، ص ۳۷۳۔ تفسیر آیات الاحکام از شیخ محمد علی صابونی: ج ۱، ص ۱۷)

(۴) بعض حضرات قصر کے لئے خوف کی شرط کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ لیکن یہ سب مسلک صحیح نہیں ہیں۔

(۵) جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ہر مباح سفر میں قصر جائز ہے خواہ خوف ہو یا نہ ہو۔ حضرت حارثہ بن وہب خزاعی ؓ فرماتے ہیں:

((صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَنَحْنُ اَکْثَرُ مَا کُنَّا قَطُّ وَاٰمَنُہٗ بِمِنًی رَکْعَتَیْنِ))

(مشکوٰۃ: ج ۱، ص ۱۱۸)

''آنحضرت ﷺ نے ہمیں منیٰ میں (چار کی بجائے) دو رکعت نماز پڑھائی۔ حالانکہ ہماری اتنی تعداد کبھی نہ ہوئی تھی اور ہم اس قدر بے خوف تھے کہ اس سے پہلے کبھی اتنے بے خوف نہ تھے۔''

قرآن پاک کے الفاظ میں جو خوف کی شرط وارد ہے ظاہریوں اور خارجیوں نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ قصر صرف حالتِ جنگ کے لئے ہے اور حالت امن کے سفر میں قصر کرنا قرآن کے خلاف ہے۔ لیکن حدیث میں مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر ؓ نے یہی شبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا:

((صَدَقَۃٌ تَصَدَّقَ اللّٰہُ بِھَا عَلَیْکُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَہٗ)) (مسلم: ج ۱، ص ۲۴۱)

''یہ قصر کی اجازت ایک انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشا ہے' لہٰذا اس کے انعام کو قبول کرو۔''

نیز یہ بات قریب قریب تواتر سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے امن اور خوف دونوں حالتوں کے سفر میں قصر فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تصریح کرتے ہیں کہ:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ خَرَجَ مِنَ الْمَدِیْنَةِ اِلٰی مَکَّةَ لَا یَخَافُ اِلَّا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ)) (ترمذی: ج ۱ ص ۱۷)

''نبی اکرم ﷺ مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے اور اس وقت رب العالمین کے سوا کسی کا خوف نہ تھا۔ مگر آپ نے دو ہی رکعتیں پڑھیں۔''

مقدارِ سفر:

مقدار سفر جس میں قصر کیا جا سکتا ہے ظاہریہ کے نزدیک کچھ نہیں ہے۔ ہر سفر میں قصر کیا جا سکتا ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ۴۸ میل یا ایک دن رات سے کم کے سفر میں قصر نہیں ہے۔ یہی رائے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ایک قول اس کی تائید میں مروی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ ۱۵ میل کے سفر میں قصر کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ امام اوزاعی اور امام زہری رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو لیتے ہیں کہ ایک دن کا سفر قصر کے لئے کافی ہے۔ حضرت حسن بصری اور امام یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ دو دن سے زیادہ کی مسافت میں قصر جائز سمجھتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن صرف ہوں (یعنی تقریباً ۱۸ فرسنگ یا ۵۴ میل) اس میں قصر کیا جا سکتا ہے۔ یہی رائے ابن عمر، ابن مسعود، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے۔

اہل حدیث:

اہل حدیث عموماً نو میل کے قائل ہیں۔ اس بارے میں سب سے زیادہ صحیح حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسنگ نکلتے تو قصر کرتے۔ اس میں میل یا فرسنگ کا شک راوی کو ہوا ہے۔ اصل تین فرسنگ ہے یعنی نو میل اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حجۃ الوداع میں مکہ والوں نے عرفات میں بالاتفاق قصر کیا ہے اور وہ مکہ سے نو میل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نو میل پر قصر کا فتویٰ دیا اور اس کو کئی دلائل سے ثابت کیا۔

عرفِ عام:

جہاں تک قرآن پاک کے الفاظ کا تعلق ہے اس میں صرف مطلق سفر کا ذکر آیا ہے' تعیین نہیں فرمائی۔ اس لئے ہمارے نزدیک صحیح اور راجح امر یہ ہے کہ عرف عام میں جسے سفر کہا جائے اس میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے' کسی مسافت کا تعین صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ باقی رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں تین میل یا تین فرسنگ کی تعین کی گئی ہے' سو اس کے متعلق گزارش ہے کہ اس میں راوی حدیث شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو شک ہے کہ تین میل ہے یا تین فرسنگ۔ لہٰذا یہ حدیث دو معنیٰ کا احتمال رکھتی ہے۔

(۱) سفر کی تحدید کی (۲) یا سفر طویل میں اقامت کی جگہ سے تین میل یا تین فرسنگ دور ہو کر قصر کرنے کی ہے۔ غرضیکہ اس بارے میں یہ حدیث بھی نص صریح نہیں ہے۔

اگرچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَهُوَ اَصَحُّ حَدِيْثٍ وَرَدَ فِيْ بَيَانِ ذٰلِكَ وَاَصْرَحُه" (فتح الباری: ج ۲' ص ۳۸۴)

''مسافت کی تحدید کے بیان میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور صریح ہے۔''

اگر کسی حدیث میں یہ تعیین بغیر شک کے آجائے تو آیت کی تخصیص ہو جائے گی۔ ورنہ عموم قرآن کی بناء پر تعداد کا فیصلہ عرف عام سے ہوگا۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی رائے قائم کی ہے۔ (محلی ابن حزم: ج ۵' ص ۲۱)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَلَمْ يَحُدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِاُمَّتِهٖ مَسَافَةً مَحْدُوْدَةً لِلْقَصْرِ وَالْفِطْرِ بَلْ اَطْلَقَ

لَهُمْ ذٰلِكَ فِيْ مُطْلَقِ السَّفَرِ وَالضَّرْبِ فِي الْاَرْضِ كَمَا اَطْلَقَ لَهُمُ التَّيَمُّمَ فِيْ كُلِّ سَفَرٍ۔" (زادالمعاد: ج۱' ص۱۳۷)

''قصر نماز اور روزہ افطار کرنے کے لئے دراصل آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی بلکہ مطلق سفر مراد ہے جیسا کہ رخصت تیمم کے لئے مطلق سفر آیا ہے''۔

مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

واز برائے قصر وجمع مسافتے معین تحدید نفرمودہ ودریں باب چیزے صحیح مروی نیست بلکہ در مطلق سفر رخصت فرمود۔ (شرح سفر السعادت: ص۲۴۱)

آنحضرت ﷺ نے نماز قصر اور جمع کے لئے کوئی معین مسافت مقرر نہیں فرمائی اور اس بارے میں کوئی صحیح روایت بھی موجود نہیں ہے بلکہ مطلق سفر میں رخصت فرمائی۔

مشہور محقق السید سابق فرماتے ہیں:

لغت میں جس کو سفر کہتے ہیں خواہ وہ طویل ہو یا نہ ہو اس میں نماز قصر اور جمع کرنے اور روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔ قرآن پاک کی آیت سے متبادر الی الذہن یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ (فقہ السنۃ: ج۱' ص۲۸۴)

قدوۃ المحققین حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

نصوص شرعیہ میں مطلق سفر وارد ہے۔ کوئی صحیح روایت سفر کی تحدید میں میری نظر سے نہیں گزری۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اس میں مختلف ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اڑتالیس میل پر دوگانہ پڑھتے تھے۔ طبرانی، دارقطنی اور بیہقی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے ((لَا تَقْصُرْ فِيْ اَقَلَّ مِنْ اَرْبَعَةِ بُرُدٍ)) مگر یہ روایت باتفاق محدثین ضعیف ہے۔

صحیح یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے۔ (فتاویٰ: ج۱' ص۱۰۸)

حضرت مولانا احمد دین سیالکوٹی مرحوم فرماتے ہیں:

جس حد تک کوئی شخص عام عرف کے مطابق مسافر سمجھا جاتا ہے بس اسی حد تک یا

اس سے زیادہ فاصلے کے لئے مسافران رخصتوں کا مستحق ہے۔

(اسلامی طہارت وعبادت کی فلاسوفی: ص ۲۱۷)

مشہور مترجم کتب احادیث حضرت مولانا وحید الزمان مرحوم فرماتے ہیں:

محققین اہل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ جس کو عرف عام میں سفر کہیں اس میں قصر کرنی چاہئے اور جس کو سفر نہ کہیں اس میں قصر نہ کی جائے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ سے کوئی تحدید خاص تصریح کے ساتھ اس باب میں منقول نہیں ہے۔ (موطا مترجم: ص ۱۴۹)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم فرماتے ہیں:

سفر کی تعین نہیں آئی' عرف عام میں جتنی مسافت کو سفر کہتے ہیں وہی سفر ہے۔

(فتاویٰ ثنائیہ: ج ۱' ص ۴۶۰)

حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم فرماتے ہیں:

عرف عام میں جسے سفر شمار کیا جائے اس میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے کسی مسافت کا تعین صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ (مشکوٰۃ مترجم: ج ۱' ص ۸۸۵)

مدتِ سفر:

اثنائے سفر دوران قیام جس میں قصر کیا جا سکتا ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاں آدمی نے چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا ہو وہاں پوری نماز پڑھنی ہوگی۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاں چار دن سے زیادہ قیام کا ارادہ ہو وہاں قصر جائز نہیں۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳ دن اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پندرہ دن یا اس سے زیادہ کی نیت قیام پر پوری نماز ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

نبی ﷺ سے اس باب میں کوئی صریح حکم مروی نہیں ہے۔ اور اگر کسی جگہ آدمی مجبوراً رکا ہوا ہو اور ہر وقت یہ خیال ہو کہ مجبوری دور ہوتے ہی وطن واپس ہو جائے گا تو تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایسی جگہ بلا تعین مدت قصر جائز ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بکثرت مثالیں ایسی منقول ہیں کہ انہوں نے ایسے حالات میں دو دو سال تک مسلسل قصر کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ اسی پر قیاس کر کے قیدی کو بھی اس کے پورے زمانہ قید میں قصر کی اجازت دیتے ہیں۔

سفر میں دو نمازیں جمع کرنا:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ (سورۃ النساء)

''نماز درحقیقت ایسا فریضہ ہے جو پابندی کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔''

اوقات کا تعین' اول و آخر کی تفصیل آنحضرت ﷺ نے سنت میں بیان فرما دی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ نماز اول وقت میں پڑھی جائے' آخر وقت میں صرف ایک ذمہ داری ادا ہوگی۔ اللہ کی رضا مندی نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی عذر کے بغیر دو نمازیں جمع کرنا درست نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً منقول ہے جس نے دو نمازیں بلا عذر جمع کیں اس نے کبیرہ گناہ کیا۔ (بیہقی: ج ۳' ص ۱۶۹)

لیکن ضرورت کے لئے آنحضرت ﷺ نے دو نمازیں جمع کرنے کی اجازت بھی فرمائی ہے۔ یہ شریعت کی طرف سے آسانی ہے۔ خواہ سفر جاری رکھیں یا مسافر کہیں جا کر ٹھہر چکا ہو۔ اور جمع کی صورت یہ ہے کہ ظہر اور عصر کو اکٹھا کرے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو۔

جمع کی اقسام:

جمع کی تین اقسام ہیں:

(۱) جمع تقدیم (۲) جمع تاخیر (۳) جمع صوری

بہتر یہ ہے کہ اگر سفر شروع کرنے سے پہلے سورج کا زوال ختم ہو چکا ہو تو عصر کو وقت سے پہلے ظہر کے ساتھ ملا کر پڑھ لے۔ اس کو جمع تقدیم کہتے ہیں۔

اگر سفر شروع کرنے سے پہلے زوال نہ ہوا ہو تو ظہر کو مؤخر کر کے عصر کے وقت میں پڑھ لے۔ اسے جمع تاخیر کہتے ہیں۔ اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کر لے۔

اگر ایک نماز کو اس کے آخری وقت میں دوسری کو اس کے اول وقت میں پڑھ لیا

جائے تو اسے جمع صوری کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ صورتاً جمع دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت جمع نہیں ہے۔ اب ہر ایک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

جمع تقدیم:

(۱) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلِ ذٰلِكَ اِنْ غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَاِنْ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ جَمَعَ بَيْنَهُمَا)) (ابوداود: ج۱ص۱۷۸)

''آنحضرت ﷺ تبوک کی جنگ میں اگر سفر شروع ہونے سے پہلے سورج کا زوال ہو جاتا تو ظہر وعصر جمع کر لیتے۔ اگر سورج کے زوال سے پہلے کوچ فرماتے تو ظہر کو مؤخر فرماتے اور جب عصر کے لئے اترتے تو دونوں نمازیں جمع کر لیتے۔ اور مغرب میں بھی اسی طرح اگر سورج سفر شروع کرنے سے پہلے غائب ہو جاتا تو مغرب اور عشاء جمع کر لیتے۔ اگر غروب سے پہلے سفر شروع فرما لیتے تو مغرب کو مؤخر فرماتے۔ جب عشاء کے لئے اترتے تو دونوں نمازیں جمع کر لیتے''۔

اس حدیث میں جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کا صراحت سے ذکر موجود ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((اَلَا اُخْبِرُكُمْ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي السَّفَرِ قُلْنَا بَلٰى قَالَ كَانَ اِذَا زَاغَتْ لَهٗ الشَّمْسُ فِيْ مَنْزِلِهٖ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ يَّرْكَبَ وَاِذَا لَمْ تَزِغْ لَهٗ فِيْ مَنْزِلِهٖ سَارَ حَتّٰى اِذَا حَانَتِ الْعَصْرُ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَاِذَا حَانَتْ لَهٗ الْمَغْرِبُ فِيْ مَنْزِلِهٖ رَكِبَ حَتّٰى اِذَا حَانَتِ الْعِشَاءُ نَزَلَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا)) (دارقطنی: ج۱ص۱۴۹)

''کیا میں تمہیں رسول اکرم ﷺ کی سفری نماز کا حال نہ بیان کروں؟ ہم نے کہا

کیوں نہیں آپ ضرور بیان فرمائیں۔ تو فرمانے لگے کہ اگر آنحضرت ﷺ زوال کے بعد سفر شروع فرماتے تو عصر کو ظہر کے ساتھ جمع فرماتے۔ اگر زوال سے پہلے سفر فرماتے تو ظہر کو عصر کے ساتھ جمع فرماتے۔ اگر غروب آفتاب کے بعد سفر شروع کرتے تو عشاء کو مغرب کے ساتھ مغرب کے وقت پڑھتے۔ اور جب غروب آفتاب سے پہلے سفر کرتے تو مغرب کو عشاء کے ساتھ ادا کرتے۔"

اس حدیث میں بھی جمع تقدیم اور تاخیر دونوں کا ذکر موجود ہے۔

(۳): ((اِنَّ عَلِیًّا کَانَ یَسِیْرُ حَتّٰی اِذَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ وَاَظْلَمَ نَزَلَ فَصَلَّی الْمَغْرِبِ ثُمَّ صَلَّی الْعِشَاءَ عَلٰی اَثْرِهَا ثُمَّ یَقُوْلُ هٰکَذَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَصْنَعُ)) (زیادات المسند: ج ۱ ص ۱۳۶)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ سفر میں جا رہے تھے۔ جب سورج غروب ہو گیا اور اندھیرا چھا گیا تو سواری سے اترے اور مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھیں۔ پھر فرمانے لگے رسول اللہ ﷺ کو میں نے ایسے ہی کرتے دیکھا ہے"۔

اس حدیث کی سند کے متعلق محقق شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں:

"اسناده صحیح" (مرعاۃ: ص ۲۶۸، ج ۲) اس کی سند صحیح ہے۔

یہی روایت دار قطنی میں بھی ایک دوسری سند سے موجود ہے مگر وہ ضعیف ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے جمع تاخیر ثابت ہوتی ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا کَانَ فِیْ سَفَرٍ فَزَالَتِ الشَّمْسُ صَلَّی الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِیْعاً ثُمَّ ارْتَحَلَ)) (سنن کبری بیہقی: ج ۳ ص ۱۶۲)

"آنحضرت ﷺ جب کسی سفر میں ہوتے اور سورج کا زوال ہو جاتا تو رک کر ظہر اور عصر کی نماز جمع کر کے پڑھتے، بعد ازاں پھر سفر شروع کر دیتے۔"

اس حدیث سے بھی جمع تقدیم کا ثبوت ملتا ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت یوں آئی ہے:

((اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّجْمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَدْخُلَ اَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا)) (دار قطنی: ج۱ ص ۱۴۹)

''رسول اللہ ﷺ سفر میں جب ظہر اور عصر کو جمع کرنے کا ارادہ فرماتے تو نماز ظہر کو اتنا مؤخر کرتے کہ عصر کا وقت ہو جاتا' پھر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیتے۔''

اس حدیث میں جمع تاخیر کی صراحت پائی جاتی ہے۔

(٦) عامر بن واثلہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے نکلے۔ اس سفر میں آپ ظہر، عصر اور مغرب' عشاء جمع کر کے پڑھتے رہے ہیں۔ (نسائی: ج۱ ص ۶۹)

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ کو کہیں جلدی کا سفر درپیش ہوتا تو ظہر کو عصر کے ساتھ عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے ساتھ عشاء کے وقت میں جمع فرماتے۔ (مسلم: ج۱ ص ۲۴۵)

(۸) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جب کوئی جلدی کا سفر پیش آتا تو بعد غروب شفق کے عشاء کے وقت مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھ لیا کرتے اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب جلدی ہوتی تو آپ بھی مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کر لیا کرتے۔ (مسلم: ج۱ ص ۲۴۵)

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی "ابواب تقصير الصلوٰة" میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہی عمل نقل کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ غَابَتْ لَهُ الشَّمْسُ بِمَكَّةَ فَجَمَعَ بَيْنَهُمَا بِسَرِفَ))

(ابوداؤد: ج۱ ص ۱۷۱)

''آنحضرت ﷺ سورج غروب ہونے کے بعد مکہ سے چلے' مغرب اور عشاء کی نماز آپ نے سرف مقام میں جا کر پڑھی (جو مکہ سے ایک میل باہر ایک مقام کا نام ہے)۔''

جمع تقدیم وتاخیر کی تمام روایات نقل کرنے کے بعد محقق عصر حضرت مولانا عبیداللہ صاحب لکھتے ہیں:

"هٰذِهِ الرِّوَايَاتُ صَرِيْحَةٌ فِيْ الْجَمْعِ فِيْ وَقْتِ اِحْدَى الصَّلٰوتَيْنِ۔"

(مرعاۃ: ج۲ ص ۲۶۹)

مذکورہ تمام احدیث جمع تقدیم وتاخیر کے اثبات میں صریح ہیں اور علمائے احناف نے جو جمع صوری کہہ کر تاویل کی ہے وہ غلط ہے۔

جمع صوری:

جمع صوری کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اول وقت میں پڑھا جائے۔ وعلی ہذا القیاس مغرب اور عشاء ادا کی جائے۔ اس جمع کو صوری اس لئے کہتے ہیں کہ یہ صورۃً جمع دکھائی دیتی ہے اگر چہ دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھی جاتی ہیں۔ بعض احادیث میں اس جمع کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ السَّفَرِ يُؤَخِّرُ الظُّهْرَ وَيُقَدِّمُ الْعَصْرَ وَيُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَيُقَدِّمُ الْعِشَاءَ)) (مسند احمد، حاکم)

''سفر میں کبھی آپ ایسا بھی کرتے کہ ظہر کو اس کے آخر وقت اور عصر کو اس کے اول وقت میں ادا فرماتے۔''

اس حدیث میں جمع صوری مراد ہے۔ اگر چہ یہ جمع بھی درست ہے تاہم ان تمام احادیث میں جن میں جمع کا ذکر وارد ہے جمع صوری ہی مراد لینا اور جمع تقدیم وتاخیر کا سرے سے انکار کرنا غلط ہے۔ کیونکہ جمع تقدیم وتاخیر کا ذکر اوپر کئی ایک احادیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں سے امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ جمع بین الصلوٰتین کے قائل ہیں۔ (ترمذی: ج۱ ص ۲۔ نیل الاوطار: ج۳ ص ۲۴۲)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ مسافر کے لئے جمع بین الصلوٰتین کے قائل نہیں ہیں۔ وہ فرماتے ہیں سفر حج میں حاجی کے لئے صرف دو مقامات پر نماز جمع کرنی جائز ہے۔ ایک ظہر وعصر کی جمع تقدیم عرفہ میں اور دوسری مغرب وعشاء کی جمع تاخیر مزدلفہ

میں۔ باقی کسی اور مقام میں دو نمازوں کا جمع کرنا صحیح نہیں سمجھتے۔ جن احادیث میں جمع تقدیم وتاخیر کا ذکر آیا ہے ان کی وہ جمع صوری کہہ کر تاویل کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ امام صاحب کی یہ تاویل ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ اوپر تحریر کردہ احادیث میں جمع تقدیم وتاخیر کی صراحت آ چکی ہے' جن میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَلَهُ الْجَمْعُ تَقْدِيْماً وَّتَاخِيْراً۔" (نیل الاوطار: ج۳' ص۲۱۵)

(الدرار البہیہ شرح الروضہ الندیہ: ص۱۰۱) یعنی مسافر کے لئے دونوں طرح کی جمع کرنی جائز ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَلْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ بِعُذْرِ السَّفَرِ مِنَ الْاُمُوْرِ الْمَشْهُوْرَةِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِيْمَا بَيْنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ۔" (فقہ السنۃ: ج۲' ص۲۲۶)

سفر کی وجہ سے دو نمازیں جمع کرنا یہ ان مشہور مسائل میں سے ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان بہا معمول ہیں۔

ویسے تو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جمع بین الصلوٰتین کے قائل وفاعل ہیں مگر خصوصاً وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو جمع بین الصلوٰتین کی روایات کے راوی بھی ہیں وہ پندرہ ہیں اور یہ روایات بخاری ومسلم سمیت تیرہ کتب احادیث میں موجود ہیں۔ (معیار الحق از میاں صاحب: ص۲۱۴، ۲۴۶)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَكْثَرُ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى جَوَازِ الْجَمْعِ فِي السَّفَرِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِيْ وَقْتِ اِحْدَاهُمَا۔" (المسوی شرح موطا: ج۱' ص۱۴۲)

اکثر اہل علم کا یہی مسلک ہے کہ سفر میں جمع تقدیم وتاخیر دونوں طرح جائز ہے۔

محقق شہیر مولانا وحید الزماں رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَيُسَنُّ لَهُ الْجَمْعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ تَقْدِيْماً وَّتَاخِيْراً۔" (کنز الحقائق: ص۳۵)

''مسافر کے لئے دو نمازوں کا جمع کرنا دونوں طرح جائز ہے۔''

مصر کے مشہور محقق سیّد سابق فرماتے ہیں:

"یَجُوْزُ لِلْمُصَلِّیْ اَنْ یَّجْمَعَ بَیْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ تَقْدِیْماً وَّتَاْخِیْراً وَّبَیْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ کَذٰلِكَ۔" (فقہ السنہ:ص ۲۸۸ ج ۱)

امام طحاوی متعصب حنفی ہیں اور احادیث صحیحہ کی بے جا تاویلات کر کے ان کو حنفی مسلک کے مطابق بنانے میں وہ یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ زیر بحث میں بھی انہوں نے اپنی کتاب ''معانی الآثار'' میں بہت لمبی بحث کی ہے اور ان تمام احادیث کی جن میں جمع حقیقی کا ذکر ہے جمع صوری کہہ کر تاویل کی ہے۔ جس پر منصف مزاج حنفی عالم مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی علامہ طحاوی کی اس بے انصافی کا سخت رد کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

جمع بین الصلوٰتین کی تمام روایات کو اگر جمع صوری پر محمول کیا جائے جیسا کہ علامہ طحاوی کا خیال ہے تو پھر مجھے سمجھ نہیں آتی کہ علامہ طحاوی ان روایات کا کیا جواب دیں گے جن میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ پہلی نماز کا پورا وقت گزر جانے کے بعد اس کو دوسری نماز کے وقت میں جمع کیا۔ اور پھر یہ تمام روایات ہیں بھی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور دوسری معتبر کتب احادیث کی جن کی صحت میں بھی کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اس کے بعد مولانا لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پورے شدومد سے علمائے احناف کی ان تاویلات کی بھی تردید کی ہے جو انہوں نے صحیح احادیث کو رد کرنے کے سلسلہ میں اختیار کی ہیں۔ (التعلیق الممجد: ص ۱۳۱)

مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجود حنفی ہونے کے بے شمار مسائل میں حنفیت کو بالائے طاق رکھ کر صحیح احادیث کو اختیار کرتے ہوئے احقاق حق کا خوب حق ادا کیا ہے۔

جمع صوری پر علماء کے اعتراضات:

جمع صوری پر علماء نے سخت اعتراضات بھی کئے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

جمع صوری میں جب یہ ضروری ہے کہ پہلی نماز کو ایسے وقت میں شروع کیا جائے کہ اس کے ختم ہوتے اور سلام پھیرتے ہی دوسری نماز کا وقت آ جائے تو اس طرح جمع کرنے والے کے لئے یہ دشواری ہے کہ اس کو انتظار کرنا اور یہ امتیاز کرنا کہ پہلی نماز سے سلام پھیرتے ہی دوسرا وقت قطعی طور پر شروع ہو جائے ظاہر ہے کہ عوام تو عوام بہت سے خواص کو بھی اسی طرح اوّل آخر وقت کا امتیاز کرسکنا خیلے دشوار و مشکل امر ہے۔

(اعلام الموقعین: ج ۲، ص ۱۴)

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کہا گیا ہے کہ جمع صوری ظاہر کے خلاف ہونے کی وجہ سے ضعیف یا باطل ہے۔

(شرح مسلم: ج ۱، ص ۲۴۶)

امام خطابی اور امام زرقانی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرات نے بھی اس جمع کو باطل اور مقصود شرع کے منافی قرار دیا ہے۔ (زرقانی: ج ۱، ص ۲۶۱)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حمل احادیث بر جمع صوری تاویل بعید است ہے کہ تخطیہ اور تغلیط صحابہ رضی اللہ عنہم مے کشد۔ (مصفی شرح موطا: ج ۱، ص ۱۴۷)

تمام احادیث سے جمع صوری مراد لینا صحابہ کرام کے فہم و درایت و روایت کو یکسر غلط قرار دینا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''زاد المعاد'' میں جمع صوری کی پوری تردید فرما کر جمع معنوی پر ایک مفصل بحث سپرد قلم کی ہے۔

حضر میں جمع کرنا:

جس طرح سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے اسی طرح حضر میں بھی مندرجہ ذیل اعذار کی بناء پر جمع کرنا جائز ہے:

(۱) بارش۔ (۲) مرض۔

(۳) خوف۔ (۴) ضرورت و حاجت کے وقت۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بِالْمَدِیْنَةِ سَبْعاً وَّثَمَانِیاً الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فَقَالَ اَیُّوْبُ لَعَلَّهٗ فِیْ لَیْلَةٍ مَطِیْرَةٍ؟ قَالَ: عَسٰی)) (بخاری: ج ا ص ۷۷)

''رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں سات رکعتیں (ایک ساتھ) اور آٹھ رکعتیں (ایک ساتھ) پڑھیں' ظہر عصر کی آٹھ رکعتیں اور مغرب وعشاء کی سات رکعتیں۔ ایوب سختیانی نے جابر بن زید سے پوچھا شاید اس رات بارش تھی؟ جابر بن زید نے جواب دیا کہ غالباً ایسا ہی ہوگا۔''

جابر بن زید کا یہ ایک احتمالی قول ہے یقینی نہیں، کیونکہ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ((مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ وَّلَا مَطَرٍ)) کے الفاظ بھی صاف آ گئے ہیں کہ نہ بارش تھی نہ کوئی خوف۔ (مسلم: ج ا ص ۲۴۶۔ ترمذی: ج ا ص ۲۶)

اشکال:

مذکورہ حدیث پر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ بظاہر جن اعذار کی بناء پر جمع کرنا ممکن ہوسکتا ہے ان کی تو نفی کی گئی ہے تو پھر جمع کرنے کا سبب کیا تھا؟ اس کے جواب میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔

(۱) ایک قول یہ ہے کہ یہ جمع صوری تھی۔ یہ رائے حافظ ابن حجر، امام شوکانی اور علامہ حافظ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جمع حقیقی تھی۔ حضر میں بھی جمع حقیقی جائز ہے بشرطیکہ کبھی کبھی ہو ہمیشہ کی عادت نہ ہو۔ گو حضر میں بلا عذر جمع کرنا منع ہے لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے اتفاقاً دیر ہوگئی ہو تو ایسے موقع پر جمع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

ائمہ کی ایک جماعت نے اس حدیث کے ظاہر پر ہی فتویٰ دیا ہے اور حضر میں مطلقاً جائز رکھا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اسے عادت نہ بنایا جائے۔ ابن سیرین، ربیعہ، ابن منذر' قفال کبیر کا یہی فتویٰ ہے۔ اور علامہ خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہل حدیث کی

ایک جماعت سے یہی مسلک نقل کیا ہے۔ (فتح الباری: ج ۲' ص ۱۶۴)

ترمذی اور مسلم میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جمع کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے یہ جمع اس لئے کی کہ آپ کی امت کو تکلیف نہ ہو۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر وعظ کرنا شروع کیا' مسائل و احکام بیان کرتے کرتے دیر ہو گئی' نجوم دکھائی دینے لگے' پھر جب وعظ ختم کیا تو مغرب کی نماز عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھی۔

(مسلم: ج ۱' ص ۲۴۶)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مراد مطلق جمع ہے نہ کہ جمع صوری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ بصرہ میں انہوں نے کسی شغل کی وجہ سے نماز جمع کی اور کہا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ (نسائی: ج ۱' ص ۶۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

آپ نے ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا۔ وجہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ میری امت پر حرج یعنی تنگی و پریشانی نہ ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ارادہ دفع حرج جمع صوری پر حمل کرنے میں قادح ہے۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ جمع علت مرض کی بناء پر تھی۔ مگر اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اگر مریض ہونے کی وجہ سے جمع کی تھی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کس بناء پر آپ کے پیچھے جمع کی تھی؟ وہ تو مریض نہ تھے۔ ان کی جمع فہم میں نہیں آتی۔

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ یہ جمع آپ نے بارش کی وجہ سے کی تھی جیسا کہ حضرت جابر بن زید اور امام مالک کا خیال ہے۔ اور جن احادیث میں بارش کی نفی آتی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بارش بہت زیادہ نہ تھی۔

(۵) پانچواں قول یہ ہے کہ یہ جمع کی شکل دراصل اتفاقاً پیدا ہو گئی تھی۔ ہوا یہ تھا کہ اس روز بادل چھائے ہوئے تھے' آپ کو ٹائم کا اندازہ نہ ہو سکا' چنانچہ اس روز آپ نے ظہر کی نماز لیٹ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو بادل چھٹ گئے' تو معلوم ہوا کہ عصر کا وقت

بھی ہو گیا ہے تو آپ نے عصر کی نماز بھی اسی وقت پڑھ لی۔

اس توجیہہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اتفاقیہ شکل اگر ظہر اور عصر میں پیدا ہو گئی تھی تو مغرب اور عشاء میں تو یہ اتفاقیہ شکل نہ تھی' پھر آپ نے کیوں جمع کی؟ لہٰذا یہ توجیہہ قابل التفات نہیں ہے۔ (نیل الاوطار: ج ۳' ص ۲۱۶)

خلاصہ بحث:

مذکورہ پانچ مذاہب میں سے پہلا مسلک زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں بلا عذر کسی نماز کو اس کے وقت سے نکالنا لازم نہیں آتا۔

بارش کی وجہ سے جمع کرنا:

بارش بھی ایک ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے جمع بین الصلوٰتین جائز ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ بارش میں جب امیر مغرب وعشاء جمع کرتا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ جمع کر لیتے۔ (موطا: ص ۵۱)

اثرم نے اپنی سنن میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ جب بارش ہو تو مغرب وعشاء جمع کر لی جائے۔ (فقہ السنہ: ج ۱' ص ۲۹۰)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کہ مقیم بارش کی وجہ سے صرف جمع تقدیم کر سکتا ہے بشرطیکہ پہلی نماز کی تکبیر تحریمہ سے لے کر دوسری نماز کی تکبیر تحریمہ کہنے تک بارش جاری رہے۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کہ بارش کے عذر کی بناء پر ظہر عصر جمع کرنی تو مکروہ ہے البتہ مغرب وعشاء کی جمع تقدیم مسجد میں جائز ہے' جب کہ بارش ہو رہی ہو یا متوقع ہو یا راستہ تاریک ہو اور کیچڑ وغیرہ بہت ہو جس پر جوتے سمیت چلنا دشوار ہو تو ایسی صورت میں بھی جمع جائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

برفباری' کیچڑ' شدید سردی یا اس قدر بارش ہو جس سے کپڑے بھیگ جائیں تو ایسے تمام عذروں کی بناء پر صرف مغرب وعشاء کی جمع تقدیم وتاخیر دونوں طرح اس شخص

کے لئے جائز ہے جس کے گھر سے مسجد دور ہو اور اس کو مسجد میں جانے میں تکلیف محسوس ہوتی ہو۔ لیکن جو لوگ مسجد میں ہی ہوں یا مسجد ان کے گھر کے قریب ہو یا گھر میں باجماعت پڑھتے ہوں تو ان کو جمع کی اجازت نہیں ہے۔ (فقہ السنہ: ج ۱ ص ۲۹۱)

مرض کی بناء پر جمع کرنا:

امام احمد بن حنبل، قاضی حسین، امام خطابی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر علماء کے نزدیک مریض کے لئے بھی اجازت ہے کہ وہ جمع تقدیم وتاخیر کے ساتھ دو نمازیں پڑھ سکتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو من حیث الدلیل قوی قرار دیا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک زیادہ وسعت والا ہے۔ ان کے نزدیک مندرجہ ذیل حضرات بھی جمع کی سہولت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں:

(۱) دودھ پلانے والی عورت کہ جب بچے کے پیشاب کی وجہ سے بار بار کپڑا دھونے کی تکلیف ہو۔

(۲) مستحاضہ عورت۔

(۳) سلس البول کی بیماری والا آدمی۔

(۴) جس کی طہارت ٹھہر نہیں سکتی۔

(۵) نابینائی۔ (فقہ السنہ: ج ۱ ص ۲۹۱)

تیمّم کی تعریف اور اس کی ضرورت

تیمّم "اَمّ" سے باب تفعل ہے۔ از روئے لغت اس کے معنی قصد و ارادہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں بغرض طہارت ہاتھ اور چہرے کے مسح کے لئے پاک مٹی کا قصد کرنا تیمّم کہلاتا ہے۔

نماز ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی ۲۴ گھنٹوں میں پانچ بار ضرور کرنی ہے اور اس کے لئے طہارت کی شرط ہے۔ طہارت کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر پانی موجود ہے تو انسان آسانی سے اس کے استعمال سے پاکی حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن اگر پانی میسر نہ آئے یا پانی موجود ہو لیکن کسی عذر کے سبب اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو پاکی اور طہارت حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ کیونکہ نماز تو بغیر طہارت کے ادا نہیں ہو سکتی۔ ایسی صورت میں دو ہی کام کئے جا سکتے تھے یا تو یہ کہ نماز ترک کر دیں یا بغیر وضو نماز کی ادائیگی کی اجازت دیں۔ لیکن دونوں صورتیں نادرست تھیں۔ نہ تو نماز کسی حال میں ترک کی جا سکتی ہے اور نہ ہی بغیر وضو ادائیگی کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ ((لَا خَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَيْسَ فِيْهِ رُكُوْعٌ)) "اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہ ہو"۔ تو ایسی صورت میں ضروری قرار پایا کہ وضو تو بغیر پانی کے نہیں کیا جا سکتا لیکن کوئی صورت ایسی ضرور ہونی چاہئے جو مجبوری کی حالت میں وضو کے قائم مقام ہو سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت تیمّم نازل کر کے تیمّم کو وضو کے قائم مقام کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وضو و طہارت کے لئے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام کر دیا جو پانی سے زیادہ سہل الحصول ہے اور ظاہر ہے کہ زمین اور مٹی ہر جگہ موجود ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ سہولت صرف امت محمدیہ کو خصوصی طور پر عطا کی گئی ہے۔

جیسے ایک حدیث میں ہے کہ:

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ (۱) دشمنوں کے مقابلہ پر ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے۔ (۲) اور تمام روئے زمین میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکی حاصل کرنے کے لائق بنا دی گئی ہے۔ میری امت میں سے جو شخص بھی جس جگہ نماز پائے وہیں نماز ادا کرے۔ (۳) اور میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا۔ (۴) اور مجھے شفاعت کبریٰ دی گئی ہے۔ (۵) اور مجھ سے پہلے نبی کو خاص قوم میں بھیجا جاتا تھا جب کہ مجھے تمام انسانوں کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔ (بخاری کتاب التیمم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار گم ہونے کا واقعہ اور نزول آیت تیمّم:

بخاری "کتاب التیمم" میں حدیث ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں کسی سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھی کہ مقام ذات الجیش یا مقام بیداء میں پہنچ کر میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر گر پڑا، جس کی تلاش کے لئے وہاں قیام کرنا پڑ گیا۔ رات کی تاریکی میں ہار کی تلاش دشوار تھی اس لئے انتظار کیا گیا کہ صبح کی روشنی ظاہر ہو تو ہار تلاش کیا جائے اور جب خود رسول اللہ ﷺ نے قیام کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ٹھہرنا پڑا۔ لیکن یہ مقام ایسا تھا جہاں پانی موجود نہ تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس بھی پانی نہ تھا۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو پریشانی ہوئی کہ نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کا کوئی انتظام نہیں ہے، نہ تو حضرات صحابہ ہی کے پاس پانی ہے اور نہ قریب ہی میں کہیں پانی ہے۔ اس لئے حضرات صحابہ کو پریشانی یہ ہوئی کہ نماز کی ادائیگی کی کیا صورت ہو؟ چنانچہ اس پریشانی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور شکایت کی کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے کیا ہوا؟ ایسی جگہ رکنا پڑا جہاں پانی نہیں ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اس شکایت سے تکلیف ہوئی اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شکایت مقصود تھی یا پانی کے انتظام کے بارے میں پوچھنا تھا۔ وہاں صورت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملامت شروع کر دی کہ تمہاری بے احتیاطی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس لق ودق میدان میں لوگوں کی نمازیں قضا ہونے والی ہیں' زبان سے بھی ملامت کی اور ہاتھ سے بھی چوکے لگائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چوکے لگنے کے باوجود حرکت اس لئے نہیں کر سکتی تھی کہ میری حرکت سے رسول اللہ ﷺ کی نیند میں خلل ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا اور چونکہ معاملہ ایسا تھا جیسے کوئی اجنبی کسی کی غلطی پر تنبیہہ کر رہا ہو۔ شفقت اور ابوت کے یہ بات خلاف تھی' زبان سے بھی ملامت ہے اور ہاتھ سے بھی طعن ہے۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے "عاتبنی ابی" نہیں فرمایا بلکہ فرماتی ہیں "عاتبنی ابو بکر" ابو بکر مجھ پر عتاب فرمانے لگے۔ پھر جب صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی آنکھ کھلی تو پانی نہیں تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تیمم کر کے نماز ادا کی۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جن کو ہار کی تلاش کے لئے مامور کیا گیا تھا فرماتے ہیں کہ خانوادہ صدیق سے برکت کا یہ ظہور کوئی نئی بات نہیں ہے' اس خاندان سے ہمیشہ برکتیں ظاہر ہوتی رہی ہیں۔ برکت ظاہر ہے کہ سخت پریشانی کی صورت تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس ایک مرتبہ کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے مستقل دستور نازل فرما دیا کہ ایسی صورت میں کسی طرح کی کوئی پریشانی ہی نہ ہو۔ اس واقعہ سے یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم کی اجازت ہے خواہ سفر کے موقع پر یہ صورت پیش آئے یا حضر میں۔

اب سوال یہ ہے کہ واقعہ کس سفر سے متعلق ہے؟ ہار گم ہونے کا واقعہ صرف ایک بار پیش آیا یا دو بار اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول: ((فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ)) سے کون سی آیت مراد ہے؟ آیت سورۂ نساء یا آیت سورۂ مائدہ؟ ان سب چیزوں پر مفصل کلام ملاحظہ فرمائیں۔

آیت تیمم کس سفر سے متعلق ہے؟

بخاری کی مذکورہ روایت سے صرف اس قدر معلوم ہوا کہ ہار گم ہونے کے بعد سفر میں

تیمم کا حکم نازل ہوا۔ دوسری روایات سے اتنی بات ملے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہار دو بار گم ہوا ہے۔ اب یہ بات کہ ایک ہی سفر میں دو بار گم ہوا ہو قیاس سے بعید ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ ہار دو بار گم ہوا اور دو سفروں میں ہوا۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف روایات جو منقول ہوئی ہیں ان سے یہ بات پورے طور سے معلوم ہو رہی ہے کہ واقعات الگ الگ دو ہیں۔ غزوہ بنی المصطلق میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہار تھا۔ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ لشکر کوچ کرے' ادھر مجھے قضائے حاجت کا تقاضا تھا۔ چنانچہ میں لشکر سے باہر چلی گئی۔ فارغ ہو کر آئی تو اتفاق سے ہاتھ سینہ پر لگایا تو پتہ چلا کہ حضرت اسماء کا مستعار ہار جو میرے پاس تھا نہیں ہے۔ اسی فکر میں نکل گئی' ہار تو تلاش کر کے لے آئی لیکن جب واپس پہنچی تو لشکر روانہ ہو چکا تھا۔ ایک واقعہ تو یہ ہے۔ یہ واقعہ راجح قول کے مطابق مریسع غزوہ بنی المصطلق کا ہے۔

دوسرا واقعہ جو اس روایت میں ہے اس کے برعکس ہے۔ اس واقعہ میں موجود ہے کہ ہار گم ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تلاش کے لئے نہیں گئیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہار کی تلاش کے لئے قیام فرمایا اور ہار کی تلاش کی گئی۔ دونوں واقعات مختلف ہیں۔ وہاں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہار تلاش کیا۔ یہاں خود رسول اللہ ﷺ نے ہار تلاش کروایا۔ وہاں لشکر کوچ کر گیا تھا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تنہا رہ گئی تھیں۔ جبکہ یہاں سب لوگوں کو ہار کی تلاش کے سبب رکنا پڑا۔ اس لئے یہ کہنا کہ واقعہ ایک ہے روایات کے خلاف ہے۔ خود طبرانی میں عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت موجود ہے:

((قَالَتْ لَمَّا كَانَ مِنْ اَمْرِ عِقْدِيْ مَا كَانَ وَقَالَ اَهْلُ الْاِفْكِ مَا قَالُوْا خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ غَزْوَةٍ اُخْرٰى فَسَقَطَ اَيْضاً عِقْدِيْ حَتّٰى حَبَسَ النَّاسُ عَلَى الْتِمَاسِهٖ فَقَالَ لِيْ اَبُوْ بَكْرٍ يَا بُنَيَّةُ فِيْ كُلِّ سَفْرَةٍ تَكُوْنِيْنَ عَنَاءً وَبَلَاءً عَلَى النَّاسِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الرُّخْصَةَ فِي التَّيَمُّمِ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اِنَّكِ لَمُبَارَكَةٌ ثَلَاثًا)) (بحوالہ فتح الباری: ج ۱ ص ۴۳۵)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میرے ہار گم ہونے کا واقعہ پیش آیا اور بہتان لگانے والوں نے جو چاہا کہا' پھر اس کے بعد میں دوبارہ دوسرے غزوہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی اور پھر دوبارہ میرا ہار گم ہو گیا اور لوگوں کو اس کی تلاش کے لئے رکنا پڑا۔ اس موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بیٹی! تو ہر سفر میں لوگوں کے لئے مصیبت اور مشقت کا سبب بن جاتی ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی رخصت نازل فرمائی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تین بار فرمایا تو بڑی بابرکت ہے۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ہار دو بار گم ہوا اور تیمّم کی یہ آیت ہار گم ہونے کے دوسرے واقعہ سے متعلق ہے جو افک کے واقعہ کے بعد ہے۔ اسی لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بیٹی! تم ہر سفر میں مسلمانوں کے لئے مشکل اور مشقت کا سبب بن جاتی ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ افک کا واقعہ غزوہ بنی المصطلق سے متعلق ہے جس کو غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں یا کوئی دوسرا واقعہ ہے جو افک کے بعد پیش آیا ہے' کون سے سفر سے متعلق ہوگا؟

ابن حبیب اور بعض دوسرے مورخین کے نزدیک اس واقعہ کا تعلق غزوہ ذات الرقاع سے ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ غزوہ بنی المصطلق کی آخری تاریخ شعبان ۶ ہجری ہے۔ اس سے آگے کی تاریخ کسی مورخ نے بیان نہیں کی۔ اس کے ساتھ یہ بھی دیکھیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت منقول ہے کہ جب آیت تیمّم نازل ہوئی تو کہا ''لَمْ اَدْرِ كَيْفَ اَصْنَعُ'' میں نہیں جانتا تھا کہ تیمّم کا عمل کس طرح کیا جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آیت تیمّم کے نزول کے واقعہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شریک تھے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خیبر میں حاضر ہوئے ہیں۔ جس کا شمار ۷ھ کے غزوات میں ہے۔ پھر جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شریک ہیں اور غزوہ بنی المصطلق کی آخری تاریخ شعبان ۶ھ سے متجاوز نہیں تو اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شرکت کیسے ہو سکتی ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شرکت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ((خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ غَزْوَةٍ أُخْرٰى)) کہ میں دوسرے سفر میں سرکار دو

عالم کے ساتھ گئی۔ان دو باتوں سے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا ہے۔نیز حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ذات الرقاع میں شرکت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔نیز امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب المغازی کے باب غزوۃ ذات الرقاع میں لکھا ہے کہ یہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا ہے۔

آیت تیمم سے کیا مراد ہے؟

بخاری کی مذکورہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نزول آیت التیمم کا ذکر فرمایا ہے، چونکہ تیمم کا حکم قرآن میں دو جگہ آیا ہے، ایک سورۂ نساء کی آیت نمبر ۴۳ میں دوسرے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۶ میں۔اب سوال یہ ہے کہ اس موقعہ پر کون سی آیت نازل ہوئی ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ اس موقع پر سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی ہے۔کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں ان میں "مِنْہُ" ہے اور "مِنْہُ" مائدہ میں ہے سورۂ نساء میں نہیں ہے۔

چنانچہ خود امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی تفسیر میں عمرو بن الحارث کے طریق سے اسی سورۂ مائدہ والی آیت کو نقل کیا ہے اور مسند حمیدی (ص ۸۸، ج ۱) میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اسی طرح منقول ہے۔اکثر مفسرین نے بھی اس سے اتفاق کیا ہے اگرچہ واحدی بغوی اور ابن کثیر کی رائے اس سے مختلف ہے۔واللہ اعلم بظاہر یہی راجح ہے کہ اس واقعہ سے متعلق جو آیت نازل ہوئی ہے وہ سورۂ مائدہ کی ہے سورۂ نساء کی نہیں۔

لیکن ابن عربی کہتے ہیں کہ دونوں آیتوں میں سے کون سی آیت اس موقعہ پر نازل ہوئی اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔یہ ایک ایسی مشکل ہے جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔کیونکہ ہم یہ معلوم نہ کر سکے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کون سی آیت کا ارادہ فرمایا ہے۔علامہ ابن بطال نے بھی تردد کیا کہ وہ آیت سورۂ نساء کی ہے یا سورۂ مائدہ کی ہے۔علامہ سفاقسی نے بھی تردد ہی ظاہر کیا ہے۔

مشکل یا تردد کا مفہوم شاید یہ ہے کہ اگر اس واقعہ میں سورۂ مائدہ والی آیت نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا ہے تو سوال یہ ہے کہ نساء والی آیت اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی یا نہیں؟ اگر نازل ہو چکی تھی تو اشکال یہ ہے کہ جب تیمم کا حکم پہلے سے معلوم تھا تو حضرات صحابہ ﷡ کو پریشانی کیوں لاحق ہوئی؟ اور اگر معاملہ برعکس ہے تو اشکال یہ ہے کہ جب اس موقع پر سورۂ مائدہ کی آیت سے تیمّم کا حکم اور اس کی تفصیلات معلوم ہو گئیں تو پھر دوبارہ سورۂ نساء کی آیت کی ضرورت کیا تھی؟ خصوصاً جب کہ دونوں کا سیاق بھی یکساں ہے۔ دونوں آیتوں میں الفاظ کا بھی کوئی فرق نہیں سوائے ایک لفظ "مِنْهُ" جو سورۂ نساء میں نہیں ہے اور سورۂ مائدہ میں ہے۔ اس اشکال کو "لَايَنْحَلُّ" قرار دیا گیا ہے۔ ابن عربی نے اس کو ایسا معمہ قرار دیا ہے جس کا کوئی حل نہیں، مگر دونوں صورتوں میں جواب دہی کی گنجائش ہے۔ خواہ یہ مان لیں کہ سورۂ نساء کی آیت پہلے آ چکی تھی اور اس واقعہ میں سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی اور خواہ یہ مان لیں کہ سورۂ نساء کی آیت اس واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔ اگر سورۂ نساء کی آیت کا نزول پہلے تسلیم کر لیں تو حضرات صحابہ ﷡ کی پریشانی کا باعث یہ بات ہو سکتی ہے کہ سورۂ نساء کی آیت میں جنابت کا مسئلہ صراحت کے ساتھ نہیں ہے۔ آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَا مَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾

اس آیت مبارکہ میں تصریح نہیں ہے کہ جنابت کی صورت میں بھی تیمم کیا جا سکتا ہے، بلکہ ایک درجہ میں وہم یہی پیدا ہوتا ہے کہ جنبی کو بہر صورت غسل ہی کی ضرورت ہے۔ ﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوا﴾ اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ مسافر کے علاوہ جنابت کی صورت میں غسل کے بغیر نماز کے قریب جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ﴿حَتّٰى تَغْتَسِلُوا﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ اغتسال ضروری ہے، صرف مسافر مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ

ابوداؤد ج ا ص ۵۱ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی سفر میں ساتھ ہو گئے۔ روایت میں تصریح ہے کہ دونوں کو غسل کی ضرورت ہو گئی تو سوال یہ پیدا ہوا کہ پانی نہیں ہے تو نماز کی ادائیگی کی کیا صورت ہو گی؟ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے تو تیمم جنابت کو تیمم حدث پر قیاس کیا اور زمین پر لوٹ لگا کر نماز پڑھی لی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کو مؤخر فرما دیا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ تیمم کے سلسلہ میں آیت نساء ان حضرات کے سامنے تھی لیکن چونکہ اس میں جنابت کے بارے میں کوئی تصریح نہیں تھی اس لئے ان حضرات کو دشواری ہوئی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے قیاس سے کام لیا کہ تیمم کے معاملہ یہ بات معلوم ہوئی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں مٹی سے پانی کا کام لیا جا سکتا ہے۔ اس لئے تیمم جنابت میں وہی ہو گا جو غسل جنابت ہوتا ہے۔ وہاں سارے بدن پر پانی پہنچانا ضروری ہے اور یہاں سارے بدن پر مٹی پہنچائی جائے گی۔ پھر اس کے بعد سورۂ مائدہ کی آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا﴾ اگر تم جنبی ہو تو طہارت حاصل کرو۔ پھر آگے طہارت کی تفصیل بیان کی کہ اگر تم مریض ہو یا مسافر ہو یا کوئی شخص قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہے یا عورتوں کے پاس گئے ہو اور ایسی صورتوں میں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لو۔ اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ جنابت کی صورت میں بھی تیمم کی اجازت ہے اور طریقہ تیمم بھی وہی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سورۂ مائدہ کی آیت کو نزول کے اعتبار سے مقدم مانیں تو اس صورت میں اشکال یہ تھا کہ جب سورۂ مائدہ میں تیمم کے حکم کی پوری تفصیلات آ گئیں تو سورۂ نساء میں دوبارہ اس آیت کے نزول کی کیا ضرورت تھی؟

اس کا حال یہ ہے کہ واقعتاً تیمم اور اس کی تفصیلات تو سورۂ مائدہ میں آ گئیں لیکن جب سورۂ نساء میں دوسرا سیاق شروع ہوا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ تو اس آیت میں اگر ﴿حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ ہی پر آیت کو ختم کر دیا جاتا تو شبہ گزر سکتا تھا کہ شاید سورۂ مائدہ میں بیان کیا گیا تیمم کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہاں جنابت کے بعد

صرف ﴿تَغْتَسِلُوْا﴾ لایا گیا ہے کہ غسل کے بغیر نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے تیمم کی آیت دوبارہ پھر تاکید کے لئے نازل کردی گئی کہ جنابت سے پاکی کا طریقہ غسل ہے لیکن اگر پانی میسر نہ ہو یا پانی میسر ہو لیکن استعمال پر قدرت نہ ہو مثلاً یہ کہ تم مریض ہو تو اس صورت میں تیمم سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت میں اگرچہ طہارت کی تمام صورتوں کو جمع کردیا گیا ہے مگر جو بات اس سلسلہ میں نئی بتلائی گئی ہے وہ مسئلہ تیمم ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام آیت تیمم ہوا برخلاف سورۂ نساء والی آیت کے کہ وہاں غیر طہارت کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے بھی روک دیا گیا یعنی مسئلہ طہارت از جملہ شرائط صلوٰۃ ہے بدوں طہارت نماز صحیح نہ ہوگی۔ گویا وہاں طہارت کی مشروعیت پر تنبیہہ تھی تو نساء میں اس کی ضرورت اور شرطیت پر زور دیا گیا ہے۔ پھر نساء والی آیت کا تعلق مسئلہ جنابت سے ہے جیسا کہ اس کے شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے اور آیت مائدہ میں معاملہ تیمم محدث بحدث اصغر سے متعلق ہے۔ چنانچہ واقعہ کی تفصیل جو روایات میں موجود ہے اس کا بین ثبوت ہے۔ اس سے ابن اعرابی کے "لا ینحل" اشکال کا جواب بھی ہوگیا اور اس بارے میں تکرار آیت کی ضرورت بھی واضح ہوگئی۔ واللہ اعلم بالصواب (ایضاح البخاری)۔

طریقۂ تیمم:

تیمم کے طریقہ میں دو مسئلے مختلف فیہ ہیں۔ ایک یہ کہ تیمم میں کتنی ضربیں ہیں؟ دوسرے یہ کہ مسح الیدین کہاں تک ہے؟

پہلے مسئلہ میں علمائے کرام نے پانچ مذاہب نقل کیے ہیں:

(۱) امام احمد' اسحاق' ابن منذر' عطاء' مکحول' اوزاعی اور اکثر محدثین (اہل حدیث) کے نزدیک ایک ہی ضرب ہے جس سے وجہ اور یدین دونوں کا مسح کیا جائے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

(۲) امان ابوحنیفہ' امام مالک' امام شافعی' لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ تیمم کے لئے دو ضربیں ہوں گی' ایک وجہ کے لئے اور دوسری یدین کے لئے۔

(۳) حضرت حسن بصری اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ دو ضربیں ہوں گی۔ لیکن اس طرح کہ ہر ضرب میں وجہ اور یدین دونوں کا مسح کیا جائے گا۔

(۴) محمد بن سیرین کا مسلک یہ ہے کہ چار ضربیں ہوں گی ایک وجہ کے لئے' دوسری یدین کے لئے' تیسری دونوں کے لئے۔

(۵) ابن بزبزہ کا مسلک یہ ہے کہ چار ضربیں ہوں گی۔ دو وجہ اور دو یدین کے لئے۔

دوسرا اختلاف مقدار مسح الیدین میں ہے اور اس میں چار مذاہب ہیں:

۱- صرف رسغین تک مسح واجب ہے۔ یہ امام احمد، اسحاق بن راہویہ، امام اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ اور اہل ظواہر کا مسلک ہے۔

۲- مرفقین تک مسح واجب ہے۔ یہ قول امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔

۳۔ رسغین تک واجب ہے اور مرفقین تک مسنون۔ علامہ ابن رشد نے اسے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت قرار دیا ہے اور علامہ زرقانی نے اسے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک قرار دیا ہے۔ علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ تطبیق بین الروایات کا بہترین طریقہ ہے۔

۴- علامہ ابن شہاب زہری کا مسلک یہ ہے کہ یدین کا تیمم مناکب و آباط تک ہوگا۔

لیکن دراصل بنیادی اختلاف دونوں مسئلوں میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ جمہور محدثین کے نزدیک تیمم میں صرف ایک ضرب ہے۔ اور یدین کا مسح رسغین تک ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو ضربیں ہیں۔ اور یدین کا مسح مرفقین تک ہے۔ ذیل میں فریقین کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

ایک ضرب کے قائلین کے دلائل:

امام احمد بن حنبل اور جمہور محدثین کا استدلال حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی

حدیث سے ہے جس سے ایک ضرب اور صرف مسح الرسغین (گھٹنوں کا مسح) کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "باب التيمم ضربة" (تیمم میں صرف ایک ضرب ہے) کے تحت حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کی ہے:

((اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا وَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً))

(بخاری: ج ۱ ص ۵۰)

"تم کو صرف ایسا کرلینا کافی تھا اور آپ نے چہرے اور ہاتھوں کا ایک بار مسح کیا۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تیمم کی کیفیت میں جتنی بھی احادیث آئی ہیں ان میں سے صرف دو حدیثیں صحیح ہیں۔ ایک ابو جہم رضی اللہ عنہ کی حدیث اور دوسری حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی۔ ان کے علاوہ جتنی بھی احادیث ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا ان کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ وہ مرفوع نہیں ہیں۔ ابو جہم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو مجمل ہاتھوں کا ذکر ہے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث جو صحیحین میں ہے اس میں صرف ہتھیلیوں کا ذکر ہے۔ اور باقی سنن میں کہنیوں تک کا ذکر ملتا ہے۔ اور ایک روایت میں نصف ذراع (کلائی) اور دوسری میں آباط (بغلوں) تک مسح کرنے کا ذکر آیا ہے۔ مرفقین اور نصف ذراع کی روایات صحیح نہیں ہیں۔ بغلوں تک جس روایت میں ذکر آیا ہے اس کے متعلق بقول امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو احتمال ہیں۔ اگر یہ آپ ﷺ کے حکم سے ہوا ہے تو بعد کی صفت تیمم جو آپ سے ثابت ہے وہ اس پہلی کے لئے ناسخ ہو جائے گی۔ اگر یہ آپ کے امر کے بغیر ہوا ہے تو یہ لائق التفات ہی نہیں۔ کیونکہ دلیل و حجت وہی بن سکتی ہے جس کا آپ نے حکم فرمایا۔ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی صحیحین والی روایت' جس میں ایک ضرب کا ذکر ہے' کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد بھی تیمم میں ایک ضرب اور مسح رسغ و وجہ کا ہی فتویٰ دیتے رہے ہیں۔ اور راویٔ حدیث خاص کر جب کہ وہ مجتہد صحابی ہو وہ اپنی روایت کردہ حدیث کی مراد کو دوسروں کی نسبت زیادہ جانتا ہے۔ (فتح الباری: ج ۱ ص ۴۶۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث عمار رضی اللہ عنہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"حَدِيْثُ عَمَّارٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ عَمَّارٍ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ وَهُوَ قَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْهُمْ عَلِيٌّ وَعَمَّارٌ وَابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہم وَغَيْرُ وَاحِدٍ مِنَ التَّابِعِيْنَ مِنْهُمُ الشَّعْبِيُّ وَعَطَاءٌ وَمَكْحُوْلٌ قَالُوْا التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ وَبِهٖ يَقُوْلُ اَحْمَدُ وَاِسْحَاقُ" (جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی: ج ۱ ص ۱۳۳)

"حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے اور ان سے کئی سندوں سے مروی ہے۔ یہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ انہی میں حضرت علی، عمار، ابن عباس رضی اللہ عنہم، عطاء اور مکحول وغیرہ ہیں۔ یہ سب ہی کہتے ہیں کہ تیمم میں چہرہ اور کفین کے لئے صرف ایک ہی ضرب ہے۔ یہی مسلک امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی ہے"۔

امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ حدیث عمار رضی اللہ عنہ کے تحت لکھتے ہیں:

"وَالْحَدِيْثُ يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ التَّيَمُّمَ ضَرْبَةٌ وَاحِدَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ اَهْلِ الْحَدِيْثِ۔" (نیل الاوطار: ج ۱ ص ۲۶۳)

"حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تیمم میں صرف ایک ہی ضرب ہے۔ یہی مسلک تمام محدثین کا ہے"۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَلْمَسْنُوْنُ عِنْدَ اَحْمَدَ التَّيَمُّمُ بِضَرْبَةٍ۔" (المغنی: ج ۱ ص ۲۴۵)

"امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیمم میں ایک ہی ضرب مسنون ہے"۔

اثرم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ وَاحِدَةٌ؟ فَقَالَ نَعَمْ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ وَمَنْ قَالَ ضَرْبَتَيْنِ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ زَادَهٗ۔" (مغنی: ج ۱ ص ۲۴۵)

"میں نے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا کیا تیمم میں ایک ہی ضرب ہے؟ تو

انہوں نے کہا ہاں چہرے اور ہاتھوں کے لئے ایک ہی ضرب ہے اور جس نے دو ضرب کہا ہے اس نے اپنی رائے سے کہا ہے۔"

مرعاۃ (ج۱، ص۳۴۶) میں ہے:

"وَالْحَدِيْثُ فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّهٗ يَكْفِيْ فِي التَّيَمُّمِ ضَرْبَةٌ وَّاحِدَةٌ وَيَكْفِيْ فِي الْيَدَيْنِ مَسْحُ الْكَفَّيْنِ وَاَنَّ الْاٰيَةَ مُجْمَلَةٌ بَيَّنَهَا النَّبِيُّ ﷺ بِالْاِقْتِصَارِ عَلَى الْكَفَّيْنِ وَالْاِكْتِفَاءِ بِالضَّرْبَةِ الْوَاحِدَةِ وَبِمَسْحِ الرَّاحَتَيْنِ وَظَاهِرِ الْكَفَّيْنِ هُوَ مَذْهَبُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَاَهْلِ الْحَدِيْثِ عَمَلًا بِحَدِيْثِ عَمَّارٍ هٰذَا فَاِنَّهٗ اَصَحُّ حَدِيْثٍ فِي الْبَابِ كَمَا اَقَرَّبِهِ التُّوْرِبَشْتِيُّ وَالْخَطَّابِيُّ وَابْنُ دَقِيْقِ الْعِيْدِ وَغَيْرِهِمْ۔" (ج۱، ص۳۴۶)

"حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ تیمم میں صرف ایک ضرب ہے اور یدین کا مسح رسغین تک ہے۔ اور آیت تیمم مجمل تھی جسے آنحضرت ﷺ نے ایک ضرب اور مسح رسغین تک اکتفا کر کے اپنے قول وعمل سے اس کی تبیین فرمائی۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے یہی مسلک جمہور علماء اور جملہ محدثین کا ہے کیونکہ یہ حدیث اس مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ جیسے کہ علامہ توربشتی، خطابی اور ابن دقیق العید وغیرہ محدثین نے اقرار کیا ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ میں تمام احادیث سے زیادہ صحیح ہے۔"

امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"فَالْحَقُّ الْوُقُوْفُ عَلٰى مَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ حَدِيْثِ عَمَّارٍ مِنَ الْاِقْتِصَارِ عَلٰى ضَرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ" (نیل الاوطار: ج۱، ص۲۶۴)

"تیمم کے باب میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث اصل ہے کیونکہ صحیحین کی حدیث سے زیادہ معتبر کوئی اور حدیث نہیں ہے۔ اور اس میں صرف ایک ہی ضرب کا ذکر ہے۔"

حضرت نواب صدیق الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"قَدْ ثَبَتَ فِي الْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ اَنَّهٗ ﷺ فَعَلَ ذٰلِكَ وَعَلَّمَهٗ غَيْرَهٗ كَمَا

فِی الصَّحِیْحَیْنِ وَغَیْرِھِمَا مِنْ حَدِیْثِ عَمَّارٍ وَالْحَاصِلُ اَنَّ جَمِیْعَ الْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ لَیْسَ فِیْھَا اِلَّا ضَرْبَۃٌ وَّاحِدَۃٌ لِلْوَجْہِ وَالْکَفَّیْنِ وَجَمِیْعُ مَا وَرَدَ فِی الضَّرْبَتَیْنِ اَوْ کَوْنُ الْمَسْحِ اِلَی الْمِرْفَقَیْنِ لَا یَخْلُوْ مِنْ ضُعْفٍ یَسْقُطُ بِہٖ عَنْ دَرَجَۃِ الْاِعْتِبَارِ وَلَا یَصْلَحُ لِلْعَمَلِ عَلَیْہِ۔"

(السراج الوہاج: ج ۱ ص ۱۳۱)

''صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی تیمم کیا اور دیگر صحابہ کو بھی سکھایا جیسا کہ صحیحین اور دیگر کتب احادیث میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ صحیح احادیث میں صرف ایک ہی ضرب ہے اور تمام وہ احادیث جن میں دو ضرب یا کہنیوں تک مسح کرنے کا ذکر ہے ان میں سے کوئی بھی ضعف سے خالی نہیں، جس کی بناء پر وہ قابل اعتبار اور عمل کے لائق نہیں۔''

امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ:

"وَھٰذَا الْمَذْھَبُ اَصَحُّ فِی الرِّوَایَۃِ۔" (معالم السنن: ج ۱ ص ۲۰۲)

''روایت کے لحاظ سے ایک ضرب والوں کا مسلک زیادہ صحیح ہے۔''

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فَاِنَّ اَصَحَّ حَدِیْثٍ فِیْہِ حَدِیْثُ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا الْمُصَرَّحُ بِاَنَّہٗ یُجْزِیْ ضَرْبَۃٌ وَاحِدَۃٌ لِلْوَجْہِ وَالْکَفَّیْنِ وَلَیْسَ فِی الْبَابِ حَدِیْثٌ یُعَارِضُہٗ مِنْ جِنْسِہٖ وَقَدْ اَخَذَ بِہٖ فُقَھَاءُ الْحَدِیْثِ اَحْمَدُ وَغَیْرُہٗ وَھٰذَا اَصَحُّ مِنْ قَوْلِ مَنْ قَالَ یَجِبُ ضَرْبَتَانِ وَاِلَی الْمِرْفَقَیْنِ۔"

(القواعد النورانیۃ الفقہیۃ: ص ۳۷۔ فتاویٰ ابن تیمیہ: ج ۲۱ ص ۲۲)

''تیمم کے بارے میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں چہرہ اور ہتھیلیوں کے لئے صرف ایک ہی ضرب کا ذکر ہے سب سے زیادہ صحیح ہے، اس درجہ کی کوئی حدیث اس کے معارض نہیں ہے۔ اسی کو فقہائے حدیث امام احمد رحمہ اللہ

تعالیٰ وغیرہ نے لیا ہے اور یہ دو ضرب کے قائلین کے قول سے زیادہ صحیح ہے۔"

شیخ الاسلام ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"كَانَ يَتَيَمَّمُ بِضَرْبَةٍ وَّاحِدَةٍ لِلْوَجْهِ وَالْكَفَّيْنِ وَلَمْ يَصِحَّ عَنْهُ أَنَّهُ تَيَمَّمَ بِضَرْبَتَيْنِ وَلَا إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: مَنْ قَالَ إِنَّ التَّيَمُّمَ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْءٌ زَادَهُ مِنْ عِنْدِهِ"۔ (زاد المعاد: ج۱ص ۵۲)

"رسول اللہ ﷺ تیمم کرتے وقت چہرے اور ہتھیلیوں کے لئے صرف ایک ہی دفعہ زمین پر ہاتھ مارا کرتے تھے۔ دو ضرب یا کہنیوں تک تیمم کرنا آپ سے ثابت نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص کہنیوں تک تیمم کرنے کا قائل ہے اس نے یہ زیادتی اپنی طرف سے کی ہے۔"

دوسرے مسلک کے دلائل:

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلتَّيَمُّمُ ضَرْبَتَانِ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلْيَدَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ))

(دار قطنی: ج۱ص ۱۸۰)

"تیمم کی دو ضربیں ہیں ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ملنا اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملنا۔"

یہ روایت اگرچہ مرفوع بیان کی گئی ہے لیکن اس کا موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔ یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے "بلوغ المرام" میں لکھی ہے (ص ۲۱)۔ لہٰذا یہ قول صحابی ہے فرمانِ رسول اللہ ﷺ نہیں۔ نیز اس کی سند میں علی بن ظبیان ایک راوی ہے جس کو ابن قطان، یحییٰ بن معین اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ تعالیٰ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

(نیل الاوطار: ج۱ص ۲۶۳)

(۲) حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت آئی ہے جس میں دو ضرب کا ذکر ہے مگر اس پر بھی امام ابو داؤد نے تنقید کی ہے۔ (ابو داؤد: ج۱ص ۵۱)

(۳) دار قطنی اور حاکم میں ایک روایت اس طرح آئی ہے:

((التَّيَمُّمُ ضَرْبَةٌ لِلْوَجْهِ وَضَرْبَةٌ لِلذِّرَاعَيْنِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ))

(دارقطنی مع تعلیق المغنی: ج۱ص ۱۸۱)

"تیمم کی دوضربیں ہیں ایک منہ کے لئے دوسری کلائیوں کے لئے کہنیوں تک۔"

اس روایت کا بھی موقوف ہونا زیادہ صحیح ہے۔(دارقطنی: ج۱ص ۱۸۱)

امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ مذکورہ احادیث پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وَبِهٰذَا يَتَبَيَّنُ لَكَ اَنَّ اَحَادِيْثَ الضَّرْبَتَيْنِ لَا تَخْلُوْ جَمِيْعُ طُرُقِهَا مِنْ مَقَالٍ وَلَوْ صَحَّتْ لَكَانَ الْاَخْذُ بِهَا مُتَعَيِّنًا لِمَا فِيْهَا مِنَ الزِّيَادَةِ۔"

(نیل الاوطار: ج۱ص ۲۲۴)

"مذکورہ بحث سے آپ کو معلوم ہوگیا ہے کہ دوضرب والی احادیث کی تمام سندیں تنقید سے محفوظ نہیں ہیں۔ اگر ان کی سندیں صحیح ہوتیں تو ان پر عمل کرنا متعین ہوتا۔ کیونکہ دوسری روایات کے مقابلہ میں ان میں ایک بات زائد ہے۔"

الغرض اس بارے میں اور بھی کئی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمّم میں ہاتھوں کو دو مرتبہ زمین پر مارنا چاہیے۔ محدثین نے ان تمام احادیث کو سند کے لحاظ سے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایات کی نسبت کمزور قرار دیا ہے۔ اور جو لوگ دو مرتبہ کے قائل ہیں وہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس میں نبی ﷺ نے انہیں زمین پر ہاتھ مارنے کا طریقہ بتایا ہے نہ کہ پورا تیمم سکھایا ہے۔

امام خطابی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ:

"وَهٰذَا الْمَذْهَبُ اَصَحُّ فِي الرِّوَايَةِ وَالْمَذْهَبُ الْاَوَّلُ اَشْبَهُ بِالْاُصُوْلِ وَاَصَحُّ فِي الْقِيَاسِ۔" (معالم السنن: ج۱ص ۲۰۲)

"روایت کے لحاظ سے ایک مرتبہ والوں کا مسلک زیادہ صحیح ہے۔"

موزوں اور جرابوں کا مسح

موزوں پر مسح کرنے کا جواز:

موزوں پر مسح کرنا نبی ﷺ سے ثابت ہے۔شیعہ اور خوارج کے سوا اس کے جواز پر پوری امت کا اجماع ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

محدثین کی ایک جماعت نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ نبی ﷺ سے موزوں پر مسح کرنا تواتر سے ثابت ہے۔بعض محدثین نے اس کے راویوں کی تعداد اسی (۸۰) لکھی ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں۔(فتح الباری: ج۱۰ ص۳۰۶)

اس بارے میں سب سے صحیح حدیث حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ انہوں نے پیشاب کرنے کے بعد وضو کیا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے پیشاب کرنے کے بعد وضو فرمایا اور اپنے موزوں پر مسح کیا۔چونکہ جریر رضی اللہ عنہ سورۂ مائدہ (جس میں وضو کا حکم نازل ہوا تھا) کے بعد اسلام لائے تھے اس لئے لوگ ان کی روایت کو بہت زیادہ معتبر مانتے تھے۔(مسلم: ج۱ ص۱۳۲)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مسح علی الخفین والی حدیث میں نے ستر صحابہ رضی اللہ عنہم سے پڑھی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

موزوں پر مسح کرنا افضل ہے کیونکہ اس کو اہل بدعت' خارجی اور رافضی نہیں مانتے اور جس سنت پر عمل کرنے میں مخالفین طعنہ زنی کرتے ہوں اس پر عمل کرنا زیادہ ثواب ہے۔(فتح الباری: ج۱)

جرابوں پر مسح کرنے کا جواز:

جرابوں پر مسح کرنا متعدد جلیل القدر صحابہ (جن کی تعداد تیرہ تک پہنچتی ہے) سے ثابت

ہے اور جن صحابہ رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت نہیں ہے ان میں سے کسی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام نے وضو فرمایا اور اپنی جرابوں اور جوتوں پر مسح کیا۔ (ابوداؤد: ج ۱ ص ۲۴۔ ترمذی: ج ۱ ص ۱۵۔ ابن ماجہ: ج ۱ ص ۴۲)

(امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے جرابوں پر جائز نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ صرف جوتوں کے ساتھ جرابوں پر مسح کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ صرف موٹی جرابوں پر مسح کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ جرابوں پر مسح کرنے کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اپنی وفات سے تین روز پیشتر وہ بھی اس کے جواز کے قائل ہو گئے تھے۔ (معالم السنن للخطابی: ج ۱ ص ۱۲۱) یہی ابوحنیفہ کا مفتیٰ بہ قول ہے۔
(ردالمختار: ج ۱ ص ۲۷۸)

اگر موزوں اور جرابوں میں کچھ سوراخ ہوں لیکن وہ عموماً پہنی جاتی ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

مہاجرین و انصار کے موزے بھی عام لوگوں کی طرح سوراخ سے بچے نہیں ہوتے تھے۔ اگر سوراخوں والے موزوں پر مسح ناجائز ہوتا تو روایات میں اس کا ذکر آتا۔
(فقہ السنۃ: ج ۱ ص ۶۲)

موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی شرط:

موزوں اور جرابوں پر مسح اس حال میں جائز ہے کہ جب انسان انہیں پہنے تو وہ باوضو ہو۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک رات میں نبی علیہ السلام کے ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے ایک برتن سے آپ علیہ السلام (کے ہاتھوں) پر پانی ڈالا۔ آپ نے اپنا چہرہ مبارک اور بازو دھوئے اور سر پر مسح فرمایا۔ پھر میں آپ کے موزے اتارنے کے لئے جھکا تو آپ نے فرمایا انہیں رہنے دو میں نے انہیں پاک داخل کیا تھا۔ (بخاری: ج ۱ ص ۳۳۔ مسلم: ج ۱ ص ۱۳۳)

مسح پاؤں کے کس حصہ پر کیا جائے:

مسح پاؤں کے اوپر کے حصہ پر کرنا چاہئے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے:

((لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ خُفَّيْهِ)) (ابوداؤد: ج۱ ص۲۴)

"اگر دین کا انحصار رائے (قیاس) پر ہوتا تو اوپر کی نسبت پاؤں کے نچلے حصہ پر مسح ہونا چاہئے تھا۔ لیکن میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے پاؤں کے اوپر کے حصے پر مسح کیا۔"

مسح کی مدت؟

موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی مدت مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات ہے اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات۔ حضرت صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نے موزوں کو پاکیزگی کی حالت میں پہنا ہو تو سفر میں ان پر تین دن اور تین رات مسح کریں اور گھر پر ایک دن اور ایک رات۔ اور یہ کہ سوائے جنابت کے کسی اور وجہ سے انہیں نہ اتاریں۔ (ترمذی: ج۱ ص۳۳)

نوٹ:- مسح کی مدت کا آغاز کب ہوگا؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ موزے پہننے کے بعد جب حدث ہو تو اس وقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی۔ لیکن مختار قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ابتداء مسح کرنے کے وقت سے شروع ہوگی۔

وہ چیزیں جن سے مسح ختم ہو جاتا ہے:

اس باب میں جو احادیث بیان ہوئی ہیں ان کی بناء پر مندرجہ ذیل صورتوں میں مسح ختم ہو جاتا ہے:

(۱) مسح کی مدت ختم ہو جائے۔

(۲) جنابت کی حالت میں یعنی جب انسان پر غسل واجب ہو جائے۔

(۳) جب انسان موزے یا جرابیں اتار لے اور اس کا وضو نہ ہو۔

مقیم کا مسافر کے پیچھے نماز پڑھنا:

مقیم کے لئے مسافر کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے جب کہ وہ بعد میں اپنی نماز پوری کر لے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب تک سفر میں رہتے دو رکعت نماز پڑھتے۔ آپ نے مکہ معظمہ میں اٹھارہ روزے قیام فرمایا تو مغرب کے علاوہ نمازوں میں دو دو رکعتیں پڑھیں۔ پھر (سلام پھرنے کے بعد) آپ فرمایا کرتے اے مکہ والو! کھڑے ہو کر بقیہ دو رکعتیں پڑھ لو اس لئے کہ ہم تو مسافر ہیں۔

(ابوداؤد: ج۱ ص۱۸۰)

مسافر کا مقیم کے پیچھے نماز پڑھنا:

مسافر جب مقیم کے پیچھے نماز پڑھے گا تو قصر نہیں کرے گا بلکہ پوری نماز پڑھے گا خواہ اس کے ساتھ ایک یا اس سے بھی کم رکعت پائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کیا وجہ ہے کہ مسافر جب تنہا نماز پڑھتا ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہے اور جب مقیم کے پیچھے پڑھتا ہے تو پوری چار رکعتیں پڑھتا ہے؟ فرمایا یہ سنت ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہ ابو القاسم ﷺ کی سنت ہے۔ (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جو کچھ فرمایا ہے یہ اکثر ائمہ سلف کا مسلک ہے۔ حضرت حسن بصری، ابراہیم نخعی، زہری، قتادہ اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے ایک رکعت یا اس سے زائد رکعتیں پائے پھر تو وہ پوری نماز پڑھے گا اور اگر ایک رکعت سے کم پائے تو وہ قصر کرے گا۔ (الفتح الربانی: ج۵ ص۲۸۱)

سفر میں روزہ کا حکم

قرآن مجید سورۂ بقرہ میں جس جگہ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا گیا ہے وہیں مریضوں اور مسافروں کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے اجازت دی گئی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ وہ سفر اور بیماری کے بعد اپنے روزے پورے کریں۔ اور وہیں بتا دیا گیا ہے کہ یہ اجازت اور رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے دی گئی ہے۔

ارشاد ہے:

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيضاً اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ:ع ۲۳)

''اور جو تم میں سے رمضان کا مہینہ پائے تو وہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو مریض ہو یا سفر میں ہو تو اس کے ذمہ دوسرے دنوں میں رمضان کے دنوں کی گنتی پوری کرنی ہے۔ اللہ کو تمہارے لئے سہولت اور آسانی منظور ہے وہ تمہارے واسطے دشواری نہیں چاہتا۔''

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ یہ رخصت بندوں کی سہولت اور آسانی کے لئے اور تنگی اور دشواری سے ان کو بچانے کے لئے دی گئی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص سفر میں ہونے کے باوجود روزے میں اپنے لئے کوئی خاص تکلیف اور دشواری محسوس نہ کرے تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے اور چاہے تو رخصت پر عمل کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل چونکہ امت کے لئے اسوہ اور نمونہ ہے اس لئے آپ نے کبھی سفر میں روزے رکھے اور کبھی قضا کئے تا کہ امتی اپنے حالات کے مطابق جس طریقے پر چاہیں عمل کر سکیں۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کے ارشادات اور طرز عمل سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنے سے اگر دوسرے ضروری کاموں کا حرج اور نقصان ہوتا ہو تو روزہ قضا

کرنا بہتر ہے۔ اور اگر ایسی بات نہ ہو تو پھر روزہ رکھنا بہتر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے جو بہت روزے رکھا کرتے تھے' رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں سفر میں روزے رکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا چاہو تو رکھو اور چاہو تو نہ رکھو۔

(بخاری: ج ۱' ص ۲۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں آپ برابر روزے رکھتے رہے یہاں تک کہ آپ مقام عسفان تک پہنچ گئے۔ (وہاں سے آپ نے روزے رکھنے چھوڑ دیئے اور سب پر یہ بات واضح کر دینے کے لئے) آپ نے پانی منگوایا' پھر آپ نے اس پانی کو ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں (اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو پیا)۔ پھر مکہ پہنچنے تک آپ ﷺ نے روزے نہیں رکھے اور یہ واقعہ ماہ رمضان میں پیش آیا۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما (اسی بنا پر) کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور قضا بھی کئے ہیں۔ تو (گنجائش ہے) کہ جس کا جی چاہے سفر میں روزے رکھے اور جس کا جی چاہے قضا کرے۔ (بخاری: ج ۱' ص ۲۶۱)

اس حدیث میں مکہ کے جس سفر کا ذکر ہے یہ فتح مکہ والا سفر تھا' جو رمضان ۸ ھ میں ہوا تھا۔ اس میں آپ شروع میں روزے رکھتے رہے' جب مقام عسفان پر پہنچے (جو مکہ معظمہ سے قریباً ۳۵' ۳۶ میل پہلے ایک چشمہ پڑتا تھا) اور وہاں سے مکہ صرف دو منزل رہ گیا اور اس بات کا امکان پیدا ہو گیا کہ قریبی وقت میں کوئی مزاحمت یا معرکہ پیش آ سکتا ہے تو آپ نے مناسب سمجھا کہ روزے نہ رکھے جائیں۔ اس لئے آپ نے روزہ قضا کر دیا اور سب کو دکھا کے پانی پیا تاکہ کسی کے لئے روزہ قضا کرنا گراں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوا کہ جب تک روزہ قضا کرنے میں کوئی ایسی مصلحت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ اسی لئے آپ نے عسفان تک برابر روزے رکھے۔ اگر بغیر کسی خاص مصلحت کے بھی سفر میں روزہ قضا کرنا ہی افضل ہوتا تو

آپ ﷺ شروع سفر ہی سے قضا کرتے۔

اسی واقعہ کے بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بھی ایک روایت صحیح مسلم میں ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرح اعلانیہ روزہ قضا کرنے اور سب کو دکھا کر پانی پینے کے بعد بھی روزے جاری رکھے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ بات آئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ خطا کار اور گنہگار ہیں (کیونکہ انہوں نے منشائے نبوی کے ظاہر ہونے کے بعد اس کی خلاف ورزی کی) اگر چہ دانستہ اور غلط فہمی سے کی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سولہویں رمضان کو جہاد کے لئے چلے تو ہم میں سے بعض نے روزے رکھے اور بعض نے رخصت سفر کی بناء پر قضا کئے۔ تو نہ روزے رکھنے والوں نے قضا کرنے والوں پر اعتراض کیا اور نہ قضا کرنے والوں نے رکھنے والوں پر اعتراض کیا۔ یعنی ہر ایک نے دوسرے کے طرز عمل کو جائز اور شریعت کے مطابق سمجھا۔ (مشکوۃ: ج۱ ص ۱۷۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو ہم میں سے بعض روزہ رکھے ہوئے تھے اور بعض قضا کئے ہوئے تھے۔ تو ایک دن سخت گرمی تھی، ہم ایک منزل پر اترے تو روزے رکھنے والے تو گر گئے اور پڑ گئے اور جو روزے قضا کرنے والے تھے وہ اٹھے، انہوں نے سب کے لئے خیمے لگائے اور سب کی سواریوں کو پانی پلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج روزہ قضا کرنے والے ثواب میں بڑھ گئے۔ (مشکوۃ: ج۱ ص ۱۷۷)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ آپ نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی اور ایک آدمی کو دیکھا جس پر سایہ کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ صاحب روزہ دار ہیں۔ ان کی حالت غیر ہو رہی ہے اس لئے یہ سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: سفر کی حالت میں یہ روزہ تو کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔ (بخاری: ج۱ ص ۲۶۲)

آپ کا مطلب یہ تھا کہ جب سفر میں اللہ تعالیٰ نے روزہ قضا کرنے کی رخصت اور اجازت دی ہے اور میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں تو پھر مسلمانوں میں سے کسی کا ایسے حال میں روزہ رکھنا کہ خود بھی گر جائیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھ بھال میں لگ جائیں کوئی نیکی کی بات نہیں ہے۔ ایسی حالت میں تو رخصت پر عمل کر کے روزہ قضا کرنا ضروری ہے اور اسی میں اللہ کی رضا ہے۔

ائمہ دین کی تحقیق:

امام احمد بن حنبل' اوزاعی اور اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ کیونکہ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے اور رخصت پر عمل کرنا افضل ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اگر سفر میں روزہ رکھنا آسان ہے تو وہ افضل ہے ورنہ غیر افضل۔ یہی رائے جمہور علماء (جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں) کی ہے۔ سلف میں سے بعض کے نزدیک روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں یکساں ہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

اس بارے میں امام شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی رائے یوں ظاہر کرتے ہیں کہ جس شخص پر سفر میں روزہ رکھنا دشوار ہو اور اس سے اسے نقصان پہنچتا ہو، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کرنے سے قصداً اعراض کرتا ہو اس کے لئے روزہ رکھنا افضل نہیں ہے۔ اسی طرح اس شخص کے لئے بھی روزہ نہ رکھنا افضل ہے جسے روزہ رکھنے سے ریا اور خود پسندی میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ طبرانی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول منقول ہے کہ جب تم سفر کرو تو روزہ نہ رکھو۔ اس لئے کہ اگر تم روزہ رکھو

گے تو تمہارے ساتھی آپس میں یہ کہیں گے کہ دیکھو اس شخص کا روزہ ہے۔ اس لئے اس کا خیال رکھو اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دو۔ پھر وہ تمہارے کام بھی کریں گے یہاں تک کہ تمہارے روزہ کا اجر ہی ضائع ہو جائے گا۔ (نیل الاوطار: ج ۴، ص ۲۲۵)

ھذا والحمد للّٰہ الذی بعزتہ وجلالہ تتم الصالحات والصلوۃ والسّلام علی رسولہ صاحب البرکات وعلی ازواجہ المطہرات والہ واصحابہ اھل الخیرات فی الحیوۃ وبعد المماۃ۔

محمد علی جانباز

❀❀❀



تفسیر ثنائی

از قلم

شیخ الاسلام ...

اصح الکتب بعد کتاب اللہ

صحیح بخاری

حضرت مولانا محمد داود راز رحمہ اللہ





المتجر الرابح

فی ثواب العمل الصالح

حافظ ... ابو محمد شرف الدین عبد المومن خلف الدمیاطی

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہ احادیث کا مجموعہ

اللؤلؤ والمرجان

فیما اتفق علیه الشیخان

تالیف

فضیلۃ الشیخ محمد فؤاد عبد الباقی

ترجمہ: مولانا محمد داود راز ○ مولانا عبد الرشید تونسوی

